وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

نفاذِ شریعت اور فقہی اختلافات

ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی، کا ایک اہم خطاب ص۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ / ۲۳۹۳۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۵

شمارہ ۸

اگست ۱۹۸۶ء

مطابق

ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

زرِ سالانہ ۴۰/- روپے

فی شمارہ [illegible] روپے

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

چودھری رشید احمد

مکتبہ تنظیمِ اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ فون ۸۵۲۶۸۳

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۲

مشمولات

٭ عرضِ احوال ——— ۳
جمیل الرحمٰن

٭ تذکرہ وتبصرہ ——— ۷
ڈاکٹر اسرار احمد

٭ فریضہ حج : ——— ۲۳
عازمین حج کی خدمت میں چند گزارشات
ڈاکٹر اسرار احمد

٭ الہدیٰ (نشست ۳۵-۳۶) ——— ۲۹
"تعمیر سیرت کی اساسات" سورۃ مومنون اور سورۃ معارج کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد

٭ اسلامی انقلاب، مراحل، مدارج، لوازم ——— ۵۵
فتح مبین، فتح مکہ
ڈاکٹر اسرار احمد

٭ تحریکِ پاکستان اور نظام بیعت ——— ۷۶
چوہدری عبدالحمید

٭ افکار و آراء ——— ۸۱
(i) سردار احمد خاں لغاری کا وضاحتی مراسلہ
(ii) استحکامِ پاکستان کا خصوصی مطالعہ
(iii) بے حسی کی انتہا : ایک لمحہ فکریہ

٭ رفتارِ کار ——— ۸۵

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ مطابق اگست ۸۶ء کا "میثاق" ہدیۂ ناظرین ہے۔ چند ناگزیر موانع کے باعث یہ شمارہ بھی قدرے تاخیر سے قارئین تک پہنچے گا جس کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اِس سال اگست کا مہینہ اہلِ پاکستان کے لیے دوہری سعادت اور مسرت کا پیغام لے کر آیا ہے کہ ۱۴ اگست کو جب ہم یہاں اپنی آزادی کی یاد کو تازہ کر رہے ہوں گے۔ انشاء اللہ اُسی روز لاکھوں فرزندانِ توحید میدانِ عرفات میں جمع ہو کر اپنی عبدیت کا اظہار کر رہے ہوں گے۔

ذوالحجہ کے مہینہ کی ہمارے دین میں جو اہمیت ہے اس سے یقیناً ہر ذی شعور مسلمان واقف ہوگا۔ اس ماہ میں ارکانِ اسلام میں سے پانچواں عظیم ترین رکن حج مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا کی شرط کے ساتھ شامل ہے۔ پھر اسی مہینہ میں ۱۰ ذوالحجہ کو تمام عالم میں مسلمان عیدالاضحیٰ کی دوگانہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور ایامِ تشریق میں سنتِ ابراہیمی کے اعادہ کے طور پر اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ اس عید کی نمایاں ترین اور امتیازی شان "قربانی" ہی ہے۔ حج کا رکنِ رکین وقوفِ عرفات ہے، جس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا۔ حج کے جو مراسم، مناسک اور ارکان ہیں۔ ان کا تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے نواح سے ہے۔ جو کہیں اور ادا نہیں کیے جا سکتے۔ البتہ "قربانی" جو ارکانِ حج ہی کا ایک بنیادی رکن ہے اُسے ہمارے دین میں اتنی وسعت دی گئی ہے کہ روئے ارضی پر بسنے والا ہر مسلمان حج کے اس بنیادی رکن میں شریک ہو جائے۔ ساتھ ہی اس قربانی کی حکمت یہ بھی ہے کہ دلوں میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، پیدا ہو۔ بفحوائے آیتِ قرآنیہ :

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُہَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط

"اللہ تک نہیں پہنچتا (ان قربانیوں کا) گوشت اور خون ۔ البتہ اس تک رسائی ہے تمہارے تقویٰ کی۔"

اور دوسری طرف یہ کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں جانور کی قربانی پیش کرتے وقت مسلمان اپنے اس جذبہ اور عزم کا اعادہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوقتِ ضرورت اپنی محبوب ترین اشیاء کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے اور ان کا مال ومنال اور جسم وجان سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اس کی راہ میں لگ جانا کھپ جانا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے :

اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ

"بے شک میری نماز اور میری قربانی، اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے ۔"

اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اصل روح قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے کے لیے کمرِ ہمت کس لیں اور اپنا مقصدِ زندگی اس بات کو بنالیں کہ

" میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے"

⁂

مسلمانانِ برِصغیر کے اعتبار سے ماہِ اگست کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد وخود مختار ریاست کی حیثیت سے "پاکستان" کا قیام عمل میں آیا تھا ـــــ ہر سال کی طرح ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو بھی "یوم پاکستان" منایا جائے گا۔ جلسے جلوس ہوں گے، ذرائع ابلاغ مسرت وشادمانی کے زمزمے اور غلغلے پیش کریں گے اور میلے ٹھیلے ہوں گے۔ الغرض خوشیاں منانے کے جو طور طریقے بھی دنیا میں رائج ہیں، وہ سب اختیار کیے جاتے رہے ہیں اور اس سال بھی کیے جائیں گے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے سوچنے اور غور کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا، اُس کی طرف کتنی پیش رفت

ہوئی ہے! نہایت دُکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ اس اعتبار سے جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو مایوسی کے اندھیروں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ یہ صحیح ہے کہ معاشی طور پر ہم نے نمایاں طور پر ترقی کی ہے۔ لیکن قیامِ پاکستان کا اصل مقصد اور حقیقی محرک تو یہ جذبہ تھا کہ:

پاکستان کا مطلب کیا —— لا الٰہ الاّ اللہ

اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر دردمند دل اس کا اعتراف کرے گا کہ دینی و اخلاقی اعتبار سے مسلمانانِ پاکستان کا حال قیامِ پاکستان کے وقت کے مقابلہ میں ترقی کے بجائے زوال و انحطاط سے دوچار ہوتا چلا آرہا ہے —— اخلاقی پہلو سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر ہم قراردادِ مقاصد سے نویں ترمیمی بِل تک کے دستوری سفر کا جائزہ لیں تو دین کے بارے میں ہمارے حکمرانوں کا رویہ مبرہن ہوجاتا ہے۔ اِس رویے کا تازہ ترین مظہر یہ ہے کہ سینیٹ میں موجود علماء کرام کو نفاذِ شریعت کے لیے پرائیویٹ بِل پیش کرنا پڑا۔ اس پر مستزاد یہ کہ پاکستان کی ماں ہونے کا دعوےٰ کرنے والی برسرِاقتدار جماعت دن رات اسلام کی تسبیح پڑھنے کے باوجود کامل شرحِ صدر اور اتحاد و اتفاق سے بِل کی مخالفت پر ڈٹی ہوئی ہے۔ دوسری جانب نوزائیدہ جمہوریت کے بانی اور سرپرست عوام اور اُن کے نمائندوں کو لڑانے کی پالیسی پر گامزن ہیں کہ اسی میں انہیں اپنی بقاء اور فلاح نظر آتی ہے۔ بقول حضرتِ اقبال ؎

یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین —— پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اِس موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا فکر انگیز خطاب "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان سے شاملِ اشاعت ہے۔ ذی الحجہ کی مناسبت سے فلسفہ حج پر امیرِ تنظیم کا تازہ ترین خطاب بھی نذرِ قارئین ہے۔ اسی شمارے میں مراحلِ انقلاب کے ساتویں خطاب تک کی اشاعت کے بعد صرف دو خطاب باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق شاملِ حال رہی تو یہ سلسلہ بھی جلد ہی اختتام کو پہنچے گا۔

آئندہ سالانہ اجتماع تک تنظیمِ اسلامی کے تحت

اہم اجتماعات کی تفصیل

تنظیمِ اسلامی کی مرکزی مجلسِ مشاورت کے فیصلوں کے مطابق سالِ رواں (یعنی آئندہ سالانہ اجتماع سے قبل تک) کے دوران تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام اجتماعات منعقد ہوں گے (ان شاء اللہ) رفقاءِ تنظیم سے گذارش ہے کہ وہ اِن اجتماعات کی تاریخوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ابھی سے ان میں اپنی شرکت کو یقینی بنانے کی غرض سے حسبِ پروگرام دفاتر وغیرہ سے چھٹیاں حاصل کریں۔

سہ روزہ علاقائی اجتماع

(۱) اجتماع کراچی : ـــــ برائے رفقاء سندھ و بلوچستان

یہ اجتماع ۲۷ر اکتوبر تا ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء منعقد ہوگا۔

(۲) اجتماع فیصل آباد : ـــــ برائے رفقاء پنجاب سرحد و شمالی علاقے

یہ اجتماع ۲۵ر دسمبر تا ۲۹ر دسمبر ۸۶ء منعقد ہوگا

اجلاس مجلس مشاورت

۱) ۹ر اور ۱۰ر دسمبر ۸۶ء ـــــ بمقام قرآن اکیڈمی لاہور

۱۱) ۱۰ر جنوری ۸۷ء تا ۱۲ر جنوری ۸۷ء 〃 〃 〃

بارھواں سالانہ اجتماع

تنظیمِ اسلامی کا بارھواں سالانہ اجتماع ان شاء اللہ العزیز ۴ر اپریل ۸۷ء ہفتہ شام تا ۷ر اپریل ۸۷ء لاہور میں منعقد ہوگا

المعلن : میاں محمد نعیم (قیم تنظیمِ اسلامی پاکستان)

(Saeed)

تذکرہ وتبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

خطاب جمعہ - ۱۱- جولائی

نفاذِ شریعت اور فقہی اختلافات

زیرِ نظر خطاب میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ملک کے موجودہ حالات اور حقائق کا معروضی تجزیہ کرتے ہوئے نفاذِ شریعت کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ یعنی اُمت کے فقہی اختلافات کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے عملی تجاویز پیش کی ہیں۔ ان تجاویز کا مقصد موجودہ جاگیردارانہ معاشرے اور سیکولر جمہوری نظام حکومت کے اندر شرعی قوانین کے نفاذ کے لئے جگہ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ اسلام جب ایک عوامی تحریک کے نتیجے میں غلبہ حاصل کرے گا اُس وقت عوام کا اجتماعی شعور اسلام کے پیغامِ اتحاد سے اس درجہ ہم آہنگ ہوچکا ہوگا — اور تبدیلی اتنی بھرپور اور ہمہ گیر ہوگی کہ موجودہ فرقہ بندیوں اور اختلافات کے منفی اثرات خود بخود بے اثر ہوجائیں گے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی تلخیص ہمارے معاون کار مقبول الرحیم مفتی صاحب نے تیار کی ہے

(ادارہ)

ایک اسلامی ریاست میں نفاذِ شریعت کے معاملے پر گفتگو کرتے ہوئے جو بنیادی اصول ہمیشہ ذہن میں واضح اور روشن رہنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ حاکمیتِ مطلقہ یا اقتدارِ اعلیٰ — (SOVEREIGNTY) صرف اللہ کے لئے ہے۔ قانون سازی کا اختیارِ مطلق بھی صرف اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے۔ قرآن وسنت کے واضح اور صریح احکام میں تغیر وتبدل کا اختیار نہ کسی اکثریت کو حاصل ہے اور نہ کسی اقلیت کو۔ ایک ملک تو کجا پوری دنیا کے مسلمان مل کر بھی ان میں کسی معمولی ترمیم، اضافے یا تنسیخ کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر ہم اس قسم کا کوئی دعویٰ یا اختیار اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں تو یہ بات اللہ کی حاکمیت مطلقہ کے اصول کی نفی کرتی ہے۔ اس کے

نتیجے میں تو حاکمیتِ مطلقہ عوام کو منتقل ہو جائے گی۔ اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اسلام کو مغرب کے سرمایہ دارانہ جمہوری نظام سے ممتاز و ممیز کرتا ہے۔ البتہ شریعت میں مباحات کا ایک بہت بڑا دائرہ ہے جس میں مسلمان آزاد ہیں۔ اس میں وہ اپنی اکثریت کی رائے اور مرضی کے مطابق قانون سازی کر سکتے ہیں۔ خود اکثریت کی رائے کو معلوم اور متعین کرنے کا معاملہ بھی مباحات کے اسی دائرے میں آتا ہے۔ الیکشن کیسے ہوں، نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی۔ یک ایوانی مقننہ ہو یا دو ایوانی یہ تمام امور مباحات میں شامل ہیں۔ گویا ایک اعتبار سے مسلمان معاشرہ اور مسلمان ریاست آزاد ہے اور ایک اعتبار سے پابند ہے۔ قرآن کے الفاظ میں، وہ پابندی کیا ہے؟ سورۃ الحجرات کی پہلی ہی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"۔

دوسری طرف آزادی کی حدود بھی قرآن نے بتادی ہیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (سورہ شوریٰ آیت ۳۸ ۔ اور وہ اپنے معاملات آپس میں مشورے سے چلاتے ہیں) یہی جمہوریت ہے اور یہی مطلوب ہے۔ آزادی کے اس دائرے میں کسی فردِ واحد کو، کسی مخصوص طبقے یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے کچھ خصوصی اختیارات کا دعویٰ کرے۔ یہ مسلمانوں کی ایک مشترک متاع ہے جس میں اکثریت کی رائے کو ظاہر اور نافذ ہونے کا بھرپور موقع ملنا چاہیئے۔ یہ بنیادی امور اگر واضح ہو جائیں اور ہمارے خواص اور عوام دونوں کو ان کے بارے میں شرحِ صدر حاصل ہو جائے تو ہمارے بہت سے پیچیدہ مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔

حضرات ایک اسلامی ریاست کے ان بنیادی تصورات اور مطالبات کی روشنی میں جب ہم پاکستان کی چالیس سالہ آئینی تاریخ کے سفر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں سب سے پہلا سنگِ میل "قراردادِ مقاصد" کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہ قرارداد دراصل ریاست کی طرف سے اس بات کا اقرار و اعلان تھا کہ ہم مادر پدر آزاد جمہوریت میں یقین نہیں رکھتے کہ جس میں حاکمیتِ مطلقہ (SOVEREIGNTY) انسانوں کی ہوتی ہے۔ بلکہ

ہم حاکمیت مطلقہ اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ کے لئے سمجھتے ہیں اور اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے اسکے رسولؐ کو حاصل ہے ۔ جیسے کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کے لئے صرف کلمہ شہادت ادا کرنا ہوتا ہے لیکن اس کلمے کا اقرار کرنے کے بعد اسکی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے ۔ اس سے پہلے وہ دائرہ اسلام سے باہر تھا اس کے بعد وہ دائرہ اسلام کے اندر آگیا۔ خواہ ابھی اسے اسلام کا اور کوئی حکم معلوم نہیں ہوا۔ خواہ ابھی وقت نہیں آیا اور اس نے کوئی نماز بھی ادا نہیں کی ۔ لیکن بہر حال وہ مسلمان ہے ۔مجرد کلمہ شہادت کے اقرار و اعلان نے اسے مسلمان بنا دیا ہے۔ بالکل یہی معاملہ قرارداد مقاصد کا ہے ۔ دستور ساز اسمبلی جو ہماری قوم اور ریاست کی اجتماعی زبان تھی اس نے جب قرارداد مقاصد کی صورت میں کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان کر دیا تو ریاست مسلمان ہو گئی ۔ یہ ہماری دستوری تاریخ کا بہت اہم موڑ ہے ۔ دوسری اہم علامت ہمارے تمام دستوری خاکوں اور دستوروں میں لکھی جانے والی یہ دفعہ ہے کہ :

"NO LEGISLATION WILL BE DONE REPUGNANT TO THE HOLY QURAN AND SUNNAH"

یعنی کوئی قانون سازی قرآن اور سنت کے منافی نہیں کی جا سکے گی ـــــ یہ دفعہ درحقیقت قانونی اور دستوری زبان میں سورہ حجرات کی پہلی آیت کے الفاظ لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (مت بڑھو آگے اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے) کی بہترین اور صحیح ترین ترجمانی ہے ۔ اللہ کی جگہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے اور رسولؐ کے قائم مقام ہمارے پاس رسولؐ کی سنت ہے ۔ جس شخص نے بھی یہ دفعہ لکھی ہے اگرچہ میں اسے نہیں جانتا لیکن غائبانہ طور پر اسے خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اسے بہترین اجر سے نوازے

بدقسمتی سے یہ دفعہ تیس تیس برس تک محض رہنما اصولوں میں ہی شامل رہی۔ عملاً قانون سازی کرتے ہوئے اسے کبھی پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ عدلیہ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اس دفعہ کی روشنی میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرے ۔ شہریوں کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ عدالت میں جاکر ثابت کریں کہ جناب فلاں قانون اس دستوری دفعہ سے متصادم ہے اس لئے اسے ختم کیا جائے ۔ نفاذ شریعت کی جانب دستوری سفر کا تیسرا قدم چیف مارشل لار

ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے وفاقی شرعی عدالت قائم کر کے اٹھایا۔ اس عدالت میں مستند علماء کرام کو بٹھا کر اس دفعہ کو جزوی طور پر رد یا عمل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ لیکن اس اہتمام کے ساتھ کہ زندگی کے بیشتر معاملات اس کی دسترس سے باہر رہیں۔ انسانی زندگی کی بنیادی اجتماعیت یعنی خاندانی اور عائلی زندگی سے متعلق قوانین اور موجودہ دور میں اجتماعیت کے سب سے اہم پیچیدہ اور مؤثر جزو یعنی معاشیات و مالیات سے متعلق قوانین کو بھی وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیارات سے باہر رکھا گیا۔ یعنی معاملاتِ زندگی کی ابتدا اور انتہا کو خارج از بحث قرار دے کر بیچ کے کچھ مسائل و معاملات اور قوانین کے بارے میں شرعی عدالت کو کچھ مشق کرنے کی اجازت خسروانہ مرحمت فرمائی گئی۔ اس طرز عمل پر میں نے پہلے بھی شدید ترین تنقیدیں کی ہیں اور آج بھی کرتا ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید کی رو سے یہ عمل انتہائی ناپسندیدہ اور غضب الٰہی کو دعوت دینے والا ہے کہ آپ دین کو حصوں میں تقسیم کر لیں اور زندگی کو بانٹ لیں کہ ایک حصے میں آپ شریعت کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہیں اور ایک حصے میں نہیں کرتے۔ یہ درحقیقت :

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ط

(اے نبیؐ، جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً اُن سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ سورۃ انعام۔ آیت ۱۵۹) کا مصداق بنانے والا کام ہے زندگی ایک وحدت ہے۔ ایک اکائی ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ اسلام میں آنا ہے تو پورے آؤ ورنہ دفع ہو جاؤ۔ دراصل یہ ضرورت ہماری ہے۔ اللہ کی ضرورت ہوتی تو وہ کہتا کہ اچھا پورا نہیں مانتے تو آدھا مان لو۔ آدھا بھی بھاری ہے تو چوتھائی مان لو۔ دین کے کچھ حصے کو ماننے اور کچھ کا انکار کرنے پر شدید ترین وعید سورہ بقرہ میں اس طرح آتی ہے

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ o

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو! پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب

کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو"

یہ قرآن مجید کی سخت ترین آیات میں سے ایک آیت ہے۔ شریعت کو ماننے والوں کو شدید ترین عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ قصور ان کا کیا ہے کہ کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے جبکہ یہ چیز اللہ کے ہاں سخت ناپسندیدہ ہے۔ لیکن اس وقت ہم جس پہلو سے ملک کی دستوری تاریخ کا جائزہ لے رہے ہیں اس کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی ایک اہم کڑی ہے۔ پہلے دستور کی یہ دفعہ سو فیصدی غیر مؤثر تھی۔ اب کچھ معاملات میں عدلیہ کو یہ طے کرنے کا اختیار دیا گیا کہ کیا چیز قرآن و سنت کے تابع ہے اور کیا شریعت سے متصادم ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک مثبت پیشقدمی تھی۔ اب سینیٹ نے آئین میں نویں ترمیم کا جو بل پاس کیا ہے وہ بھی اگرچہ ناکافی ہے لیکن بہرحال ایک قدم اور آگے بڑھا ہے۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ترمیم نے عائلی قوانین کو مستثنیات کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ اب انشاء اللہ توقع یہی ہے کہ قومی اسمبلی میں بھی یہ ترمیمی بل اسی طرح منظور کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ شرعی عدالت عائلی قوانین پر از خود غور کرنے کی مجاز ہو گی اور شہریوں کو بھی یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ ان قوانین کو چیلنج کریں۔ اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ممبرانِ سینیٹ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس ترمیم کے ذریعے شرعی عدالت کو مالی قوانین پر بھی غور کرنے کا اختیار تو دیا گیا ہے لیکن عدالت کا فیصلہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو گا جب تک پارلیمنٹ اس کے لئے مناسب قانون سازی نہ کرے۔ اس طرح سے معاملہ کو طول دینے کا راستہ نکال لیا گیا ہے لیکن ہم جس تاریخی تدریج اور ارتقاء کا جائزہ لے رہے ہیں اس میں یہ بھی ایک اہم پیش رفت ہے۔ شریعت کی طرف جو قدم بھی آگے بڑھا ہے ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے لئے جن لوگوں نے محنت کی ہے انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ نویں ترمیمی بل کی منظوری کے ساتھ جو اہم مسئلہ درپیش ہے وہ ہے شریعت بل کی منظوری کا۔ یہ بل صوبہ سرحد سے سینیٹ کے دو ارکان جناب قاضی سمیع الحق اور مولانا عبدالحق نے پرائیویٹ بل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ۷ جولائی کو اس بل کی منظوری کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے شدید بارش کے دوران بھرپور عوامی مظاہرہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس مظاہرے میں شریک ہونے کی سعادت بخشی۔ اگرچہ میں گیا تو صرف مظاہرہ

دیکھنے تھا لیکن منتظمین کے اصرار پہ وہاں مختصر خطاب بھی کیا۔ وہاں بھی میں نے وہی بات کہی جو ہمیشہ کہتا ہوں کہ شریعت کے لئے پیش قدمی اسی طریقہ سے ہوگی۔ جب تک منظم طریقہ سے رائے عامہ کا دباؤ سامنے نہیں آئے گا اس وقت تک برسر اقتدار طبقہ ماننے والا نہیں ہے۔ بلکہ محض مظاہروں سے کام نہیں چلے گا۔ ایک مرحلہ آئے گا جب لوگوں کو خون بھی دینا ہوگا۔ جان کی بازی بھی لگانی ہوگی۔ شریعت اتنی آسانی سے نہیں آجائیگی۔ دین کا کام قربانی کے بغیر نہ کبھی پہلے ہوا ہے نہ اب ہوگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نویں ترمیم میں کیا خلاء ہے، کیا کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے یہ شریعت بل پیش کیا گیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک طبقہ جان بوجھ کر قرآن وسنت کے نام پر کنفیوژن اور الجھنیں پیدا کرتا ہے۔ اس طرزِ عمل کا مظاہرہ قانونِ شہادت اور عورت کی دیت کے مسئلے پر ساری قوم دیکھ چکی ہے۔ اس بل میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ قرآن وسنت کا مفہوم طے کرنے والے ذرائع کا تعین کر دیا جائے تاکہ جدیدیت زدہ دانشوروں اور بیگمات کو اپنے مخصوص انداز میں کنفیوژن پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ یہ طبقہ اس انداز سے بات کرتا ہے جیسے آج ان پر قرآن وسنت کا نزول ہو رہا ہے۔ اور وہ اس کی تعبیر وتشریح کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔ حالانکہ یہ امت آج پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اس کی چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین فقہاء کرام کی زندگی بھر کی محنتوں کا ثمر ہمارے پاس موجود ہے۔ اس سرمائے سے محروم ہو کر ہم کیسے قرآن وسنت کو سمجھ سکتے ہیں۔ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو پکڑو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑو اور کس طرح پکڑو۔ دانتوں سے پکڑو۔ یہ شریعت بل درحقیقت قرارداد مقاصد سے حالیہ آئینی ترمیم تک جو قدم بہ قدم پیش قدمی ہوئی ہے اس کا اگلا قدم ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ملک کی ایک نہیں ساری عدالتیں ہی شرعی ہونی چاہئیں۔ کسی حکمران کو، صدر کو، وزیراعظم کو، وزیراعلیٰ کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔ قانون اور عدالت کے سامنے سب برابر ہونے چاہئیں۔ اور بھی بہت ساری باتیں ہیں تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں۔

اس پرائیویٹ شریعت بل میں بھی ایک خلاء ہے، جس کی طرف بریگیڈ وصاحب اور دوسرے کئی اصحاب نے اشارہ کیا ہے اور درست کیا ہے۔ اس بل میں یہ تو کہا گیا ہے

کہ شریعت کا اصل مآخذ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لیکن قرآن و سنت سے احکام کے استنباط اور تشریح و تعبیر کے ضمن میں کسی تعیین کے بغیر فقہاء، مجتہدین، ائمہ اہل بیت، اجماع امت، قیاس اور اجتہاد سب باتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کی بنا پر ہر شخص کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ جناب میں تو فلاں امام کو مانتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے۔ کوئی کہے گا میں حنفی ہوں، کوئی کہے گا میں غیر مقلد ہوں، کوئی کہے گا میرے امام تو امام جعفر صادق ہیں۔ نتیجتاً اختلاف و انتشار کی ایک ایسی فضا پیدا ہوگی کہ کوئی شے بھی نافذ نہیں ہو گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ واقعتاً ہمارے ہاں فقہی اختلافات کی نوعیت بہت گھمبیر ہے۔ اس مسئلے کا ایک حل تو یہ ہے کہ یہ علماء کرام جو شریعت بل کو لے کر آئے ہیں یہ بل پیش کرنے سے پہلے تمام علماء کو بٹھا کر مشورہ کر لیتے کہ ان فقہی اختلافات کو طے کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ اور پھر اس طے شدہ فارمولے کو اس بل میں پیش کرتے۔ لیکن یہ کام چونکہ مشکل تھا اس لیئے انہوں نے اس کا آسان حل یہ نکالا کہ سب چیزوں کو ایک ہی دفعہ میں جمع کر دیا ہے۔ اصل میں آج میں اسی الجھن کا عملی حل پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے لیئے ہمیں کچھ جرأت مندانہ اقدام کرنے ہوں گے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جب ہم اس دفعہ کو نافذ کریں گے تو جہاں مسائل اور اختلافات سامنے آئیں گے وہاں ان کا حل بھی فطری انداز سے سامنے آ جائے گا۔ اس نقص یا کمی کو دلیل بنا کر یہ کہنا کہ یہ بل ہی منظور نہ کیا جائے ایک بالکل غلط بات ہے۔ پیر صاحب پگارو اور ان کے ہم خیال تمام حضرات کو اس بات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ کیا فقہی اختلافات کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے کہ ہم نفاذ شریعت کی طرف پیش قدمی ہی نہ کریں یا ان اختلافات کی وجہ سے شریعت کو بالائے طاق رکھ دیں۔ کسی مسلمان کی سوچ کا رخ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارا طرز فکر تو یہ ہونا چاہیئے کہ شریعت پر تو ہمیں ہر صورت میں چلنا ہے۔ اس میں تو رد و قبول کا کوئی معاملہ ہے ہی نہیں۔ البتہ نفاذ کی راہ میں جو دقتیں، رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں ان کا حل تلاش کرنے کے لیے خلوص کے ساتھ کوشش کی جائے۔

عملی تجاویز

فقہی اختلافات کا عملی حل پیش کرنے سے پہلے ایک بنیادی بات جو ذرا چونکا دینے والی ہے عرض کر دوں۔ ہمارا آئیڈیل تو یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک امت ہیں اور اسی بنیاد پر انہیں متحد ہونا چاہیئے اور اس صدی میں اتحاد امت کا سب سے بڑا پرچارک علامہ اقبال ہمارے اسی شہر میں مدفون ہے۔ لیکن عملاً جو صورت حال ہے وہ سب کے

سامنے ہے۔ مسلمانوں کے کتنے آزاد ممالک ہیں ؛ ان میں کتنا اتحاد ہے ! ان کے نظام آپس میں کتنے مختلف ہیں ؟ یہی وجہ ہے کہ اتحاد کا داعی علمبردار اقبال اپنے مشہورِ زمانہ لیکچرز RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM میں یہ ماننے پر مجبور ہو گیا کہ سرِدست اگر ایک COMMON WEALTH OF MUSLIM NATIONS وجود میں آجائے تو بڑی غنیمت ہوگی ۔ اور اسی خیال کو انہوں نے شعر میں بھی پیش کیا ہے کہ ؎

تہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا !
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

جغرافیائی اعتبار سے بھی تہران آزاد مسلم ممالک کے بالکل وسط میں واقع ہے ۔ اس مثال سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مثالی تصوّرات (IDEALS) اور عملی حقائق میں کتنا فرق ہوتا ہے ۔ اب زیرِ بحث معاملے میں بھی اسلام کا اعلیٰ اور ارفع مطمح نظر تو یہی ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۔ قرآن میں فرقہ بندی کی سخت مذمت کی گئی ہے اور انتشار اور تفرق کو عذابِ خداوندی بھی کہا گیا ہے لیکن عملاً صورتحال کیا ہے ۔ مسلمانوں میں دو فرقے شیعہ اور سنّی تو امّت کی سطح پر بالکل حقیقی بن چکے ہیں جبکہ ہمارے ملک میں ان کے علاوہ دو مزید مصنوعی فرقے بھی بن چکے ہیں ۔ پہلے حقیقی فرقوں کے اختلافات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے ۔ اوّل تو ان کی کتابوں سے ہمیں یہ شک ہوتا ہے کہ وہ قرآن کو محفوظ نہیں مانتے ۔ لیکن جب بات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب ہم اسی قرآن کو مکمل مانتے ہیں لیکن سنّت کے مآخذ پر آکر معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے ۔ ان کے ہاں سنّت کے مآخذ بالکل جدا ہیں ۔ ان کی حدیث کی کتابیں بالکل الگ ہیں - اہلِ بیت کے سوا وہ کسی کی روایت کو تسلیم ہی نہیں کرتے ۔ یہ ان کا بنیادی اصول ہے ۔ جب کہ اہلِ سنّت کے نزدیک "الصحابۃ کلھم عدول" روایتِ حدیث کا بنیادی اصول ہے ۔ یعنی روایتِ حدیث کے معاملے میں تمام صحابہ کرامؓ مقامِ عدل پر ہیں ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ صحابی سے جو روایت کر رہا ہو اس نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو یا راویوں کے سلسلے میں کوئی جھوٹا آدمی آگیا ہو - ان باتوں کی تحقیق تو ہم کریں گے ۔ لیکن جس بات کی سند صحابی تک پہنچ جائے اس پر ہم "الصحابۃ کلھم عدول" کے اصول کے مطابق جرح نہیں کریں گے ۔ ہر صحابی کی بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں ۔ سنّت کے مآخذ کے

اختلاف کی وجہ سے شیعہ اور سنی کے درمیان بہت بنیادی فرق واقع ہو گیا ہے اس لئے اِن دو فرقوں کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ پھر یہ اختلاف یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ آگے بڑھتا ہے۔ ہم خلافت کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک خلافت ایک منتخب ادارہ ہے مسلمان اپنے باہمی مشورے سے خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ جب کہ شیعہ امامتِ معصومہ کے قائل ہیں جو اُن کے خیال میں ایک خاندان میں چلتی رہی ہے۔ اُس میں بھی اُن کی دو شاخیں ہو گئی ہیں یعنی اثنا عشری شیعہ اور چھ اماموں کے بعد تا حال امامت کو جاری ماننے والے اسماعیلی شیعہ۔ اُن کا امام معصوم آج بھی زندہ موجود ہے جبکہ ہمارے نزدیک معصومیت خاصہِ نبوّت ہے جسے معصوم مان لیا اُسے گویا نبی مان لیا۔ پھر یہ کہ پہلے تین خلفائے راشدین جو ہمارے لئے انتہائی اہم ہیں۔ ان کا طریق حکومت اور فیصلے سنت اور شریعت کا ایک اہم ماخذ (SOURCE) ہیں انکو وہ غاصب اور نہ جانے کیا کیا کہتے اور سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تو خلافت اور امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ کو پہنچی ہے درمیان میں کچھ ہے ہی نہیں۔ میں بہت نرم الفاظ استعمال کر رہا ہوں ورنہ شیعہ کے نزدیک تو درمیان میں دغا ہے فریب ہے دھوکا ہے، غبن اور حق تلفی ہے۔ یعنی اُن کے نزدیک صحابہ کرامؓ اور خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس درجے کے لوگ ہیں۔ ان بہت بنیادی اہم اور محکم وجوہات کی بنیاد پر ہمیں یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ سنی اور شیعہ کا اختلاف بالکل حقیقی ہے۔ وہ اعتباری نہیں ہے۔ جب بھی تنفیذ کا معاملہ آئے گا ہمیں اِن حقائق کا سامنا کرنا پڑے گا، انہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمیں بڑی جرأت کے ساتھ اِن اختلافات کا مواجہہ (FACE) کرنا چاہیئے۔ ان کا حل سو فیصد وہی ہے جو ایران میں ہمارے شیعہ بھائیوں نے کیا ہے۔ بظاہر تو وہ ہر جگہ اتحاد کی بات کرتے ہیں۔ لا شیعیہ لا سنیہ اور لا شرقیہ لا غربیہ اسلامیہ اسلامیہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن یہ صرف نعرے ہیں۔ جو ریاست انہوں نے قائم کی ہے اُس کے دستور میں لکھ دیا ہے کہ ایران شیعہ اسلامی ریاست ہے اور اسکی سرکاری فقہ، فقہ جعفری ہے، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ غلط نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایران کی عظیم اکثریت شیعہ ہے۔ انہوں نے سنیوں کے بارے میں یہ طے کر دیا کہ پرسنل لاء (

(PERSONAL LAW) میں اُنہیں اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہے۔ عبادات میں عائلی قوانین یعنی نکاح و طلاق، پیدائش موت وراثت اور ان سے متعلق تمام معاملات میں وہ اپنی فقہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ ہم بھی بالکل ایران کی طرح شیعوں کے بارے ایسا ہی فیصلہ کریں گے تو یہاں بھی شریعت نافذ ہو گی۔ ورنہ نہیں ہو سکتی۔ ہمیں بھی ایران کی طرح دستور میں یہ بات لکھ دینی چاہیئے کہ پاکستان سنی اسلامی ریاست ہے۔ یہاں شیعوں کو اُن کے پرسنل لا میں مکمل آزادی ہو گی۔ عبادات میں شادی بیاہ کے معاملات میں وراثت میں اُنہیں مکمل آزادی دی جائے گی۔ اگر وہ متعہ کرنا چاہتے ہیں تو کریں۔ لیکن وہ شیعہ کا شیعہ کے ساتھ ہی ہو گا۔ ہم تو اُسے حرام مطلق سمجھتے ہیں۔ البتہ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شیعہ اور سنی کے درمیان شادی یعنی دائمی نکاح کو ہم جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی شادی کے معاملے میں ایک احتیاط ضروری ہے کہ جہاں حکومت نے نکاح کے لئے اتنا بڑا فارم بنایا ہے اُس میں ایک خانہ یہ بھی بنا دیا جائے کہ اس شادی یا نکاح کے بعد پیدا ہونے والے معاملات کس فقہ کے تحت طے کئے جائیں گے۔ مثلاً بیوی شیعہ ہے شوہر سنی ہے یا بیوی سنی ہے اور شوہر شیعہ ہے تو نکاح کے وقت یہ بات تحریری طور پر طے ہو جانی چاہیئے کہ ان کے تمام معاملات یعنی طلاق، وراثت اور اولاد کے معاملات کا فیصلہ کس فقہ کے تحت ہو گا۔ اگر ہر شادی کے وقت یہ بات طے کر لی جائے تو بعد میں پیدا ہونے والی بہت سی الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

نفاذ شریعت کے لئے یہ پہلا قدم بالکل ناگزیر ہے۔ اب صرف اسلامی کے لفظ سے کام نہیں چلے گا۔ پاکستان کو سنی اسلامی ریاست ماننا پڑے گا۔ یہ بات بلاشبہ ہمارے مثالی تصورات (IDEALS) کے خلاف ہے۔ لیکن عملی حقائق نظر انداز کرنے سے گاڑی نہیں چلے گی۔ ڈی فیکٹو پوزیشن (DE-FACTO POSITION) کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اب معاملہ اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے کہ نفاذ کا عمل آگے نہ بڑھا تو پھر ریورس گیئر (REVERSEGEAR) لگے گا۔ لوگ بغلیں بجائیں گے کہ دیکھو اب کیسی جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے۔ ہم نہ کہتے تھے کہ شریعت کی طرف پیش قدمی نہ کرو۔ اس جگ ہنسائی اور رسوائی سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ حقائق کو تسلیم کر کے مسائل

کا حل ڈھونڈا جائے۔

اب لیجئے مسئلہ اہلِ سُنّت کے درمیان مسالک اور مذاہب کے اختلافات کا ۔آبادی کے اعتبار سے ملک کی عظیم اکثریت فقہ حنفی کے ماننے والوں کی ہے ۔ دوسرے نمبر پہ آتے ہیں اہلِ حدیث حضرات ۔ ملک میں بلاشبہ ایسے گاؤں قصبے اور شہر بھی موجود ہیں جہاں کی ساری آبادی یا آبادی کی اکثریت اہلِ حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والوں پہ مشتمل ہے ۔کراچی میں غالباً بمبئی سے آنے والے کچھ خاندان شافعی مسلک کے ماننے والے بھی ہیں ۔ شاید کچھ حنبلی بھی ہوں ۔ لیکن ان کا معاملہ تو الشاذ کالمعدوم کا سا ہے پہلے اس اختلاف کی نوعیت سمجھ لیجئے ۔ کتاب اور سنت پر سب کا اتفاق ہے سُنّت کا ماخذ سب کا ایک ہے ۔معاملہ صرف تعبیر و تشریح کا ہے ۔کوئی ایک حدیث کو زیادہ صحیح سمجھتا تو اُس سے مسئلہ نکالتا ہے دوسرا کسی دوسری حدیث سے استنباط کرتا ہے ۔ لیکن حل اس مسئلے کا بھی وہی ہے ۔کہ عبادات میں پرسنل لاء میں وراثت میں تو سب کو مکمّل آزادی دے دی جائے ۔ لیکن ملکی قانون اکثریت کے فقہ کے مطابق بنایا جائے ۔یہ رائے میں پہلی دفعہ بیان نہیں کر رہا ۔ ۱۹۸۰ء میں اسلام آباد میں جو پہلا علماء کنونشن ہوا تھا اُس میں میں نے اسی موضوع پر تقریر کی تھی ۔ اُس وقت بھی بہت سے بزرگ اور دوست ناراض ہوگئے تھے اور آج بھی ناراض ہونگے ۔ دراصل اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ سے ناراض نہ ہو تو خاموش رہیئے یا گول مول بات کیجئے اگر آپ کوئی بات واضح طور پر اور ڈٹ کر کہنا چاہتے ہیں تو پھر ذہناً کچھ لوگوں کی ناراضگی برداشت کرنے کے لئے تیار رہیئے ۔ مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کون ناراض ہو رہا ہے اور کون راضی ہو رہا ہے ۔ جس بات کو صحیح سمجھتا ہوں وہی کہتا ہوں ۔

موجودہ حالات میں فقہی اختلافات کے اس مسئلے کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں کہ پرسنل لاء میں سب کو آزادی دے دی جائے ۔ تمام فرقوں کی رجسٹریشن کی جائے ۔ مردم شماری کے فارم میں مسلک کا خانہ بھی بڑھایا جائے ۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ کس کی تعداد کیا ہے ۔ یہ روز روز کے متضاد دعوے اور بیان بازیاں بھی ختم ہو جائیں ۔ پھر تمام فرقوں اور مسلکوں کے علماء کے منتخب بورڈ بنا دیئے جائیں جن کا کام یہ ہو کہ اپنے

اپنے فرقے کے معاملات خود طے کریں۔ یہ تصور کوئی نیا نہیں ہے۔ انگریزی دورِ حکومت میں علماء کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جب تک انگریز مسلط ہے اُس وقت تک بھی ہمیں شریعت سے بے خبر اور غافل نہیں ہو جانا چاہیئے۔ اُس وقت یہ تجویز پیش ہوئی تھی کہ ہر صوبے میں امارت شرعیہ کا نظام قائم کیا جائے اور مرکز میں بھی ایک امارت شرعیہ ہو۔ مسلمانوں کی ایک تنظیم ہو دہلی میں اُن کا ایک مرکزی امیر ہو تاکہ کم از کم عائلی زندگی میں وہ اپنے معاملات خود طے کریں۔ ایک غیر مسلم حکومت کی عدالتوں میں اپنے بہت سارے معاملات لے جانے سے بچ جائیں۔ حکومت کی طرف سے بھی پابندی نہیں تھی نہ ہے کہ ضرور ہماری عدالتوں میں آؤ۔ بڑے پیمانے پر ۱۹۲۱ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کی پہلی تجویز تو بعض علماء کے اختلاف کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ لیکن صوبہ بہار کے مسلمانوں نے امارتِ شرعیہ بہار کے نام سے اپنا نظام اُس وقت ہی قائم کر لیا تھا اور وہ اتنا مضبوط نظام ہے کہ آج تک چل رہا ہے۔ انگریزی حکومت کی عدالتوں میں بھی امارتِ شرعیہ بہار کے فیصلوں کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ آج بھی اگر ہم اسلام پر چلنا چاہتے ہیں شریعت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں صرف نعرے بازی نہیں ہے تو پھر یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔

اس ضمن میں آج مولانا شاہ احمد نورانی نے ایک بڑی عمدہ بات کہی ہے اور میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ دوسرے مسلمان ممالک کی حکومتیں بھی اگر یہاں کچھ مذہبی یا رفاہی کام کرنا چاہتی ہیں مسجدیں بنانا چاہتی ہیں مدارس کھولنا چاہتی ہے۔ تو وہ کسی فرقے کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک نہ کریں۔ اس طرح سے ملکی معاملات میں بیرونی مداخلت کا ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور فرقوں کے درمیان ایک خواہ مخواہ کی رقابت جنم لیتی ہے۔ اگر کوئی حکومت اس مد میں کچھ امداد کرنا چاہتی ہے تو وہ حکومت پاکستان کو دے اور اگر تمام فرقے رجسٹرڈ ہوں تو حکومت اُن کی تعداد کے مطابق حصہ رسدی اُن میں تقسیم کر دے۔ اسی طرح مسجد بنانے سے پہلے یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ یہ کس مسلک کی مسجد ہے تاکہ مسجد بنانے کے بعد دنگا فساد کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مسجدوں کے معاملے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ شیعہ یا اہلحدیث کی مساجد میں دنگا فساد اور سر پھٹول کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ سارا جھگڑا ہوتا ہے دیوبندی بریلوی بنیاد

پر۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ۔جب دونوں کا مسلک ایک ہے تو مسجد کی جداگانہ حیثیت نہیں ۔اب جس میں زور ہوگا وہ مسجد پر قبضہ کرلے گا۔ تعمیر کسی نے بھی کی ہو قابض وہ رہے گا جس کے بازو میں قوت ہے ۔ان تمام مسائل کا حل رجسٹریشن ہے ۔

۱۹۸۰ء میں بھی علماء کنونشن کے دوران میں نے دست بستہ عرض کیا تھا کہ آپ زکوٰۃ آرڈی ننس واپس لے لیں ۔کیونکہ اگرچہ زکوٰۃ ایک مالی معاملہ ہے لیکن اصلاً یہ عبادت ہے ۔ یا تو ابوبکرؓ والا ایمان لایئے اور سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیجئے ۔جو مسلمان ہے اُسے زکوٰۃ حکومت کو دینی ہوگی ۔یہ قطعاً غلط ہے کہ کچھ لوگوں کو آپ رعایت دے دیں کہ وہ اپنے شیعہ ہونے کا بیان دے کر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوجائیں اور اپنی وصول شدہ زکوٰۃ بھی واپس لے لیں ۔اب وہ ساری خرابیاں بالفعل ظاہر ہوچکی ہیں اگر آپ آزادی چاہتے ہیں تو سب کو آزادی دیجئے ۔یہ عجیب تماشہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے تو ہوں صرف سنّی مگر لینے والوں میں کوئی تفریق نہ ہو ۔مزید یہ کہ کئی جگہ تو شیعہ زکوٰۃ کمیٹیوں کے چیئرمین بھی بنے ہوئے ہیں ۔ بے شمار سنّیوں کو شیعہ بنانے کا دروازہ آپ نے ویسے کھول دیا ۔ایک بیان حلفی دے کر زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچ گئے ۔

اب مثال لیجئے طلاق کی ۔فقہ حنفی میں تین طلاقیں بیک وقت واقع ہوجاتی ہیں ۔طلاق مغلظہ ہوجاتی ہے ۔مرد نہ رجوع کرسکتا ہے نہ شرعی حلالہ کے بغیر نکاح کرسکتا ہے جبکہ اہلحدیث کے نزدیک اور اہل تشیع کے نزدیک ایک وقت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے کتنا بڑا فرق ہے ۔ فقہ حنفی کے مطابق اگر بیک وقت تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کرتا ہے تو زنا کا مرتکب ہوتا ہے اولاد ناجائز ہوتی ہے جبکہ اہلحدیث اور اہل تشیع کے مطابق درست ہے ۔یہ معاملات بہت نازک ہیں ۔اس کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب کو آزادی دے دی جائے

اِس جگہ بریلوی دیوبندی اختلاف کے بارے میں ایک بات سمجھنا ضروری ہے ۔ یہ فرقے بالکل مصنوعی ہیں ۔ان کی فقہ ایک ۔اِن کی عقائد کی کتابیں ایک ۔ صرف گزشتہ سو سال میں برِصغیر کی حد تک بعض شخصیتوں کے ٹکراؤ کا معاملہ ہے ۔کوئی کسی کا احترام کرتا ہے ۔کوئی کسی کا احترام کرتا ہے ۔کسی کو کسی مصنف کے بعض جملوں پر بہت غصہ ہے کہ اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین کردی ہے ۔کوئی سمجھتا ہے کہ اُس کے معنی

بہ نہیں ہیں یہ ہیں ۔ فقہ حنفی کے نفاذ سے ان کے درمیان اتحاد و اتفاق کی کئی صورتیں نکل آئیں گی ۔

اب آخری بات یہ کہ سنہ ۱۹۸۰ء میں میں نے کہا تھا کہ عام ملکی قانون یعنی لاء آف دی لینڈ (LAW OF THE LAND) میں کسی فقہ کو تسلیم نہ کیا جائے صرف کتاب و سنّت کو معیار بنایا جائے ۔ لیکن اِس وقت میں اُس میں اضافہ کر رہا ہوں ۔ اگرچہ میرے بہت سے دوست اور بزرگ ناراض ہوں گے لیکن عملی مسائل و مشکلات کو دیکھتے ہوئے یہ اضافہ ناگزیر ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ اگر یہاں کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی پیرو کار ہے تو حنفی فقہ کو لاء آف دی لینڈ قرار دیا جائے ۔

اہلحدیث حضرات کو اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے ۔ کیا اس اختلاف کی وجہ سے وہ اتنا آگے جائیں گے کہ الحاد اور لادینیت کی طرف پیش قدمی آسان ہو جائے ۔ کیا کوئی اہلحدیث یہ کہہ سکتا ہے کہ حنفیت دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جب حنفی فقہ کا نفاذ ہوگا عملی مشکلات سامنے آئیں گی تو پھر وسعتِ نظر پیدا ہوگی ۔ قرآن و سنّت کی روشنی میں معاملات و مسائل پر غور کرنے کا راستہ کھلے گا ۔ اس کی بہت واضح مثال مفقود الخبر شوہر کے معاملے میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فتویٰ ہے ۔ اگرچہ وہ مسلکاً حنفی تھے لیکن جب انہیں عملی صورتِ حال سے واسطہ پڑا تو انہوں نے فقہ مالکی کے مطابق فتویٰ دیا ۔ فقہ حنفی کے مطابق تو جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے وہ نوے برس تک انتظار کرے ۔ اب سوچیئے نوے برس تک انتظار کون کر سکتا ہے اور اس انتظار کے بعد کیا کوئی عورت شادی کے قابل بھی رہ سکتی ہے ؟

اہلِ حدیث حضرات کو اپنے دلوں میں وسعت پیدا کرنی چاہیئے ۔ اگر آپ کو حنفیت قبول نہیں تو پھر لادینیت آئے گی ۔ قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے موقع پر بھی کہنے والوں نے کہا تھا کہ اس قرار داد کی وجہ سے ہمارے سر شرم سے جھک گئے ہیں ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ۔ اب ان اڑتیس برسوں میں تو لادینیت نے ، الحاد نے ، جدیدیت نے بہت ترقی کر لی ہے ۔ لادینی قوتیں آپ کے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کے لیے بالکل تیار بیٹھی ہیں ۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ شریعت بل پیش کرنے والے علماء کرام نے اور بل کے حق میں مہم چلانے والے متحدہ شریعت محاذ نے ان تمام امور پر واضح اور مضبوط موقف اختیار نہ کیا اور گول مول بات کی تو اُن کی ساری کوششوں کے منفی نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔ جیسا کہ پیر صاحب پگارڈو اور دیگر حضرات کہہ رہے ہیں کہ اتنی فقہیں ہو جائیں گی۔ کھینچ تان ہو گی قوم تقسیم ہو جائے گی۔ جی ہاں پھر یہ سب کچھ بالفعل ہو گا۔ اور دین دشمن طاقتوں کی پیش قدمی کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی۔ جو مسائل کل سامنے آنے والے ہیں ان کو سمجھ کر ابھی سے پیش بندی کر لی جائے تو بحیثیتِ مجموعی دین کے لیے جدوجہد کرنے والے تمام حلقوں کے لیے آسانیاں پیدا ہوں گی۔

آخر میں اس ساری بحث کے نکات کو ترتیب وار ذہن میں بٹھا لیجئے تاکہ اسے دوسروں تک پہنچانے میں آپ کو آسانی رہے۔

۱۔ دستور میں ترمیم کر کے پاکستان کو سنّی اسلامی ریاست قرار دیا جائے۔

۲۔ فقہ حنفی کو لاء آف دی لینڈ قرار دیا جائے۔

۳۔ پرسنل لاء یعنی عبادات، عائلی قوانین اور وراثت کے معاملات میں شیعہ اور اہلِ سنّت کے تمام مسالک و مذاہب کو مکمل آزادی دی جائے۔

۴۔ تمام فرقوں کی مردم شماری کر کے انہیں رجسٹرڈ کیا جائے۔

۵۔ تمام فرقوں کے علماء کے بورڈ بنائے جائیں۔ جن کی تشکیل متعلقہ فرقے کے عوام براہِ راست انتخاب کے ذریعے کریں۔

۶۔ علماء کے ان بورڈوں کو اپنے اپنے فرقے کے پرسنل لاء کے معاملات کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔ اور جب حکومت کسی فرقے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہے تو متعلقہ فرقے کے علماء کے بورڈ کا مشورہ اس میں شامل ہو۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العلمین

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ انکا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بےحرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تنظیمِ اسلامی کے مرکزی دفتر میں تعلیمی پروگراموں کا اجراء

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ تنظیمِ اسلامی کے مرکزی دفتر واقع A/۴۴ علامہ اقبال روڈ لاہور میں رفقاءِ تنظیم کی سہولت کے لیے شام کے اوقات میں درج ذیل تعلیمی پروگراموں کا آغاز ۲۷ جولائی ۸۶ء سے ہو چکا ہے۔

(i) تجوید و حفظ کی کلاس	روزانہ عصر تا مغرب
(ii) عربی کلاس	بعد نمازِ مغرب ایک گھنٹہ
(iii) ترجمۂ قرآن کی کلاس	عربی کلاس کے بعد ایک گھنٹہ

نوٹ : مؤخر الذکر دونوں کلاسیں ہفتہ میں چار دن (اتوار، سوموار، منگل اور بدھ) ہوتی ہیں۔

لاہور میں مقیم رفقاءِ تنظیم سے خصوصی گذارش ہے کہ وہ اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ وقت اِس کام کے لیے نکالیں اور کوشش کر کے تینوں کلاسوں میں اپنی شرکت کو ممکن بنائیں۔

المعلن : میاں محمد نعیم، قیّم تنظیمِ اسلامی پاکستان

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

فریضۂ حج

حجّاج کرام کی خدمت میں چند گذارشات

محترم امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۵ رجولائی کو سٹیٹ بنک بلڈنگ لاہور میں عازمین حج کے ایک خصوصی اجتماع سے خطاب فرمایا۔ قارئین کے استفادہ کے لئے اس خطاب کی تلخیص ادارہ 'میثاق' کے رفیق کار مولانا شیخ رحیم الدین دکنی نے تیار کی ہے۔ (ادارہ)

محترم حجاج بیت اللہ العظیم اور مکرم حاضرین

میں اسے اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسے حضرات سے مخاطب ہوں جو کہ عنقریب سفرِ حج کا آغاز کرنے والے ہیں، اگرچہ یہ سعادت مجھے بھی نصیب ہو چکی ہے لیکن یہ معاملہ وہ ہے کہ جب بھی موسمِ حج آتا ہے تو ہر صاحبِ ایمان کے دل میں ایک ہُوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش میں پھر وہاں حاضر ہوتا لیکن بعض انتظامی اُمور اور حکومتوں کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی آپ میں سے بعض حضرات کے علم میں ہو گا کہ میری طبیعت ایک عرصہ سے ناساز چل رہی ہے جس کی وجہ سے آجکل میں اپنے مستقل پروگرام کے علاوہ کسی دوسرے پروگرام کی دعوت قبول نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن جب مجھے اس مُبارک اجتماع میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تو انکار نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ شائد آپ حضرات کی سعادتوں میں سے مجھے بھی کوئی حصّہ مِل جائے۔

جہاں تک حج کے احکامات کا تعلق ہے اس مختصر سے وقت میں اُن کا بیان ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی آپ حضرات کو "پی، آئی، اے" کی جانب سے جو کتاب احکاماتِ حج سے متعلق ملی ہے وہ اس قدر جامع ہے کہ پہلی دفعہ حج کرنے والے شخص کو بھی ان شاء اللہ کوئی دِقّت باقی نہیں رہے گی۔

میں آج کی محفل میں آپ حضرات کی توجہ فلسفہ حج، حکمتِ حج یا جو حج کی اصل روح ہے اسکی طرف دلاؤں گا۔ حج کی جو روحانی برکات ہیں اسکو صرف وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جو اس کوچے سے واقف ہیں۔ دوسرے حضرات جنہوں نے اس کوچہ میں قدم نہیں رکھا وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے ۔ حج کی عبادت خاص طور پر ایسی ہے کہ اس میں اکثر مناسک ایسے ہیں جن کی بظاہر کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی، اور وہاں جا کر انسان کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عقل کو ایک طرف رکھ کر صرف "اتّباعِ رسولؐ" کرنا ہے۔ بغیر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی حکمت کیا ہے؟ اور غرض و غایت کیا ہے؟ — عام طور پر دین کے جتنے احکام ہیں ان کی حکمتیں بھی بتلائی گئی ہیں مثلاً نماز کی حکمت کے متعلق فرمایا گیا :-
أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي یعنی نماز اللہ کی یاد کے لئے ہے، روزہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ البقرہ آیت ۱۸۳
یعنی روزے کی حکمت و غرض و غایت "تقویٰ" ہے — لیکن حج کے ضمن میں کئی مناسک ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ہم قطعاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی غرض و غایت کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ صرف ایک بات ہمارے سامنے رہے کہ محمد رسول اللہ نے ایسا کیا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ — چنانچہ آپ میں سے اکثر حضرات نے حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ سنا ہوگا۔ جب کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ "اے حجرِ اسود میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے تیرے اندر کوئی الوہیت نہیں ہے۔ لیکن میں تجھے صرف اس وجہ سے بوسہ دے رہا ہوں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا تھا" مناسکِ حج میں سے ایک رمی جمرات ہے جو کہ بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بارے میں بھی کوئی قطعی بات ہمارے پاس نہیں ہے کہ یہ کس بات کی علامت ہے۔ ویسے اس کو شیطان تو کہتے ہیں لیکن یہ کہ شیطان کا کونسا واقعہ اس کے ساتھ ہے۔ بعض روایات تو موجود ہیں مگر وہ روایات مرفوعہ نہیں ہیں۔ یعنی ایسی کوئی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو اور اس سے معلوم ہو سکے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے، ذخیرۂ احادیث میں ہمیں نہیں ملتی۔ یہاں پر بھی صرف اتباعِ نبویؐ ہی کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔
جن حضرات کو روحانی کیفیات و واردات میں سے کچھ حصہ ملا ہے وہاں ان کو

کیا کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہی بتلا سکتے ہیں ۔ لیکن اس سے ذرا کمتر سطح پر آ کر میں عرض کروں گا کہ حج کا یہ پورا نظام اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک شخصیت کی یاد پر مشتمل ہے اور وہ شخصیت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ۔جن کی کہ تین نسبتیں ہیں اور وہ تینوں ہی بہت عظیم ہیں ۔ایک تو یہ کہ ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے : وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا ۝ ''اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست قرار دیا'' یعنی خلیل بنا لیا ۔ دوسری طرف ان کی نسبت نوعِ انسانی کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ : اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط یعنی اے ابراہیم میں تمہیں نوعِ انسانی کا امام بنانے والا ہوں ۔ اور ان کی تیسری نسبت آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہوگی یعنی یہ کہ اُن کی نسل میں بے شمار نبی آئے یہاں تک کہ نبی آخر الزّمان بھی آپ ہی کی ذرّیت میں سے ہیں ۔اس طرح آپ ابو الانبیاء ہیں ، خلیل اللہ ہیں ، اور امام الناس ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معمارِ حرم بھی ہیں ۔اس حرم کے جس کی زیارت کی نیت سے آپ حضرات جا رہے ہیں جس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے : ۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ۝

اور یاد کرو جب کہ ہم نے ابراہیم کے لئے وہ جگہ معین کر دی جو ہمارے گھر کی جگہ تھی کہ ہمارے اس گھر کی تعمیر بھی کر دو اور اس کو پاک صاف بھی رکھو طواف کرنے والوں کے لئے ، قیام کرنے والوں کے لئے ، رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ، اور لوگوں کو بلاؤ حج کے لئے تم دیکھو گے کہ وہ چلے آئیں گے اس گھر کی طرف پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی بڑے دور دراز راستوں سے اور بڑی گہری وادیاں عبور کر کے تاکہ وہ پہنچیں ان جگہوں پر جہاں ان کے لئے نفع ہے اور اپنے نفع کے مقامات پر موجود ہوں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیا کیا نفع کی

چیزیں رکھی ہیں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معمار قرار دیا گیا ہے بیت اللہ کا ۔ اگرچہ اس میں ایک اختلاف ہے کہ معمارِ اوّل کون ہیں ۔ میرے نزدیک یہ رائے زیادہ قوی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ معمارِ ثانی ہیں ۔ معمارِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ — یعنی رُوئے ارضی پر اللہ کی عبادت کے لئے جو سب سے پہلا گھر بنایا گیا وہ مکہ میں ہے ۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان کم از کم چار پانچ ہزار سال کا فصل ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دوران میں نوع انسانی نے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر نہ کیا ہو ۔ اسی لئے میری قوی رائے یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے معمارِ اوّل حضرت آدمؑ ہیں ۔ امتداد زمانہ اور سیلاب و طوفان کی وجہ سے یہ منہدم ہو گیا تھا پھر اس کی دوبارہ تعمیر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں کروائی اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ — جبکہ ابراہیم اور اسماعیل دونوں باپ بیٹے اس گھر کی دیواروں کو اٹھا رہے تھے ۔

یعنی جہاں تک اس کی بنیادوں کا تعلق ہے وہ موجود تھیں اور انہی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کا فریضہ انجام دیا ہے ان باپ بیٹا دونوں نے ۔

حج کے اکثر مناسک کا تعلق ہے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اور ان کے واقعات سے اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی پوری کی پوری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں کا مجموعہ ہے ۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے : وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ؕ اور یاد کرو جب ابراہیم کا امتحان لیا اس کے رب نے بہت سی باتوں میں اور اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا ۔ اور تمام امتحانات میں ثابت قدم رہے ۔ ان کی سب سے پہلی آزمائش ان کی فکر اور عقل سلیم کی آزمائش ہے ۔ وہ ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں ، بتوں کو پوجا جا رہا ہے ۔ اجرام سماویہ سورج ،

چاند اور ستاروں کو پوجا جا رہا ہے - اس کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت نمرود خود معبود ہونے کا مدعی ہے - گویا اس معاشرہ میں تین طرح کے شرک موجود تھے - جس میں اس نوجوان نے آنکھ کھولی ہے - لیکن یہ ان کی سلامتی طبع اور فطرتِ سلیمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انہوں نے توحید کی روشنی کو دیکھا اور اسکی طرف ہی اپنا رُخ کر لیا اور ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر یہ نعرۂ توحید ان کی زبان پر آتا ہے : اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ کہ میں ان تمام سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہوں - اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ انہوں نے کہا کہ میں اس چیز سے بری اور بیزار ہوں جو تم سب کرتے ہو - میں تو صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی پرستش کروں گا - ان کے اس نعرہ مستانہ کے ساتھ ہی ان پر امتحانات آنے شروع ہو گئے - والد نے انتہائی ترش لہجے میں کہا : قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ "اے ابراہیمؑ! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کر رہے ہو" ہماری قومی و نسلی روایات ان سب کو اپنے پاؤں تلے روند دینا چاہتے ہو ---" اگر تم باز نہیں آؤگے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا" یہ تو خیر بعد کی بات ہے "فی الوقت تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ" اور فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ" ، اپنے والد کی یہ تلخ اور کڑوی بات سننے کے بعد بڑے حلم اور وقار کے ساتھ یہ کہتے ہوئے : قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ ٹھیک ہے کہ میں آپ کے گھر سے رخصت ہو رہا ہوں - وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝ میں تم سب سے ترک تعلق کرتا ہوں اور صرف اللہ کو پکاروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ مجھے ناکام و نامراد نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل کھڑے ہو دوسرا امتحان یہ ہوا کہ قوم نے آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جب اس موحد کو قوم نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالےٰ نے آگ کو حکم فرمایا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ہ اللہ کے حکم سے یہ آگ گل و گلزار بن گئی اور آپ اس امتحان میں بھی سرخرو ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے وطن کو خیرباد کہی : اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ میں تو اب اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہا ہوں ۔اس کے بعد وہ کبھی شام میں رہے کبھی مصر میں رہے کبھی حجاز میں گئے گویا پوری زندگی صحرا نوردی میں گزری کسی بھی جگہ ٹک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ آپ نے ہر جگہ توحید کے مراکز قائم کئے حضرت لوطؑ کو شرق اُردن میں مامور کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر شریف جب ستاسی برس کی ہوئی تو محسوس ہوا کہ اب میرے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے بعد ان توحید کے مراکز کا اور میری دعوت کا وارث کون ہو گا۔ تب آپ نے یہ دُعا کی رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ہ "اے میرے رب مجھے ساتھی عطا فرما جو صالحین یعنی نیکو کاروں میں سے ہو" اللہ تعالیٰ نے فوراً دُعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا۔

جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی امتحانات کا مجموعہ ہے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لئے دُعائیں مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستاسی برس کی عمر میں ایک فرزند عطا فرمایا ابھی وہ فرزند شیرخوار ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس شیرخوار بچے اور اس کی ماں کو وادی غیر ذی ذرع میں چھوڑ آؤ۔ ذرا تصور کیجئے کہ جہاں آج سے چار پانچ ہزار سال قبل آبادی نام کی کوئی چیز بھی وہاں نہ تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے ۔ یہ موحد اعظم اللہ کے حکم کی فرمانبرداری میں ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر فوراً واپس چل پڑتے ہیں ۔ایسے موقع پر حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا پکارتی ہیں آپ ہمیں اس جنگل بیابان میں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا۔ "اللہ کے حکم سے" آگے کے واقعات آپ حضرات کو معلوم ہیں کہ جب کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی اور حضرت اسماعیلؑ پیاس سے بیتاب ہوئے اس وقت حضرت ہاجرہ نے جو دوڑ لگائی ہے ان دو پہاڑیوں (یعنی صفا و مروہ) کے درمیان (اب تو صرف ان کی علامتیں رہ گئی ہیں ۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ کو عمدہ ماربل کا فرش ملے گا جس پہ کہ آپ چلیں گے) پانی کی تلاش میں کہ کبھی اس پہاڑی

پر چڑھ جاتی ہیں تو کبھی اُس پہاڑی پر کہ کوئی انسان نظر آئے تو اس کو مدد کے لیئے پکاریں اس طرح وہ سات چکر لگاتی ہیں۔ حضرت ہاجرہ ابھی تلاش ہی میں اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں کہ وہ دیکھتی ہیں کہ جہاں حضرت اسماعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا ہے۔ یہ وہی زم زم ہے کہ جس کو پینے کی سعادت آپ وہاں جاکر حاصل کریں گے۔ یہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ابراہیمؑ کے اس امتحان کی یادگار ہے۔ یہ چیزیں میں اس لیئے بتا رہا ہوں کہ ہماری زندگی میں بھی قدم قدم پر امتحانات ہیں۔ ہماری زندگی گیا ہے ؟ اس کے متعلق سورۃ ملک میں فرمایا گیا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط ہمیں بھی زندگی کے ہر موڑ پر دوراہا ملتا ہے کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے اب ہمارے معاشرہ کا یہ حال ہوگیا ہے کہ اس امتحانات میں اچھے اچھے لوگ ناکام ہوجاتے ہیں۔ اگر ہم حج پر جاکر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے ان واقعات کی صرف یاد منالیں تو اس سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہوگا۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہمیں ان کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔

حضرت اسماعیلؑ قریبًا تیرہ برس کے ہوگئے ہیں بوڑھا باپ اپنے جواں ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا ہے کہ اس وقت دل کو چھید جانے والے امتحان کا حکم ہوتا ہے کہ اپنے اس لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کردو۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں اس واقعہ کی تصویر کشی اس انداز سے کی گئی ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ (اور جب وہ (ابراہیم کے ساتھ) بھاگ دوڑ کے قابل ہوتے تب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اسماعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں، ایک دن خواب دیکھا پریشان ہوئے پھر دوسرے دن تیسرے دن یہی خواب دیکھا اس لیئے قرآن مجید میں آیا ہے: یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط میں خواب میں متواتر یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تم اب ذرا سوچو اور غور و فکر کر کے بتلاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے جواب کو اللہ تعالےٰ نے ابدالآباد تک کے لئے محفوظ کردیا انہوں نے فرمایا: قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ہ اباجان کر گزریئے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے۔ ان شاء

اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے ۔ آگے ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ہ جب باپ بیٹے دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۔ یہاں یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ ذبح کرتے وقت تو چہرے کو سامنے کیا جاتا ہے تاکہ گردن کا نرم حصہ سامنے رہے لیکن حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو جو الٹا لٹایا اس میں حکمت یہ تھی کہ بیٹے کی نگاہ سامنے نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ شفقت پدری کہیں جوش میں آجائے اور ہاتھ میں قوت نہ رہے اور اطاعتِ خداوندی میں لغزش آجائے ۔ ابھی وہ اپنے نورِ نظر کی گردن پر چھری پھیرنے والے ہی تھے کہ : وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج پھر ہم نے پکارا اور کہا کہ اے ابراہیمؑ ! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اس سے آگے نہیں ۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ہ یہ وہ ذبح عظیم ہے جس کی یاد ہم ہر سال مناتے ہیں اور اب تو یہ صرف ایک رسم بن کر رہ گئی ہے : اگر ہم اپنے جذبات کو اللہ کے حکم کے آگے قربان نہ کر سکے ، اپنے معاملات کو اللہ کے احکامات کے تابع نہ کر سکے اس طرح ہم اپنی دنیاوی خواہشات کو آخرت کے مقابلہ میں قربان نہ کر سکے تو پھر اس کے کوئی معنی نہیں ہے ۔ بقول اقبال مرحوم:

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

جیسے کہ ہم نے نماز کو ایک رسم بنا لیا ہے ، اسی طرح روزہ کو بھی رسم بنا لیا ہے ، کیونکہ روزہ کی جو اصل غرض وغایت ہے وہ تو ہماری آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے ۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑتا اور اسی طرح جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو کوئی احتیاج نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑدے ایسے شخص نے روزہ نہیں رکھا بلکہ اس نے فاقہ کیا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ ایک اندازہ کے مطابق سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا ۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اے مسلمانو ! اب دین کی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آ گئی ہے ۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے ۔ اب تمہیں یہ پیغام سارے عالم میں پہنچانا ہے ۔ میں نے اللہ کے دین کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب کر دیا ہے اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کو پورے کرۂ ارضی پر غالب کر دو ۔ تو آپ حضرات

کو معلوم ہے کہ اس سوا لاکھ کی تعداد نے چوبیس برس کی قلیل مدت میں بحر الکاہل کے ساحل سے لے کر افریقہ کے مغربی ساحل تک اور افریقہ کے مغربی ساحل سے لے کر مکران کے علاقے تک اور افغانستان سے روسی ترکستان تک کے علاقے فتح کئے اور یہاں پر اللہ کے دین کو نافذ کر دیا۔ ان حضرات نے قربانیاں دیں ۔ محنتیں کیں، اللہ کے دین کے لئے اپنی جان، مال اور اولاد کو لگا دیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کا دین غالب ہوا۔ لیکن آج ہمارے حج کے موقع پر تیس تیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا دنیا میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لوگ جیسے جاتے ہیں ویسے ہی واپس آتے ہیں، حج کا ہماری سیرت و کردار پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ہم نے صرف رسم بنا لیا ہے۔ اس کی اصل غرض و غایت نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ آپ حضرات ایک کثیر رقم خرچ کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کی مشقتیں جھیلیں گے اپنے گھروں کی آسائشوں کو چھوڑیں گے۔ سفر کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: السفر قطعۃ من العذاب لیکن سفرِ حج کے موقع پر یہ تکالیف اور بھی زائد ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے اس لئے بعض دفعہ جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں، بدگمانیاں بھی ہوتی ہیں، بدقسمتی سے آج سے پہلے ہمارے یہاں کوئی نظم نہیں تھا اب تو پھر بھی گروپ کی شکل میں جاتے ہیں۔ کسی کو لیڈر بناتے ہیں۔ جب یہ شکل نہ تھی تو جھگڑے ہی جھگڑے تھے۔ اکثر و بیشتر یہ ہوتا تھا کہ دو انتہائی قریبی دوست بڑے ذوق و شوق کے ساتھ حج کے لئے جاتے تھے مگر واپسی پر ان کے دل پھٹے ہوئے ہوتے تھے اور وہ ایک دوسرے سے بدظن ہو جاتے تھے۔ یہ ہمارا اپنا مشاہدہ رہا ہے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ جو مقصد تھا وہ سامنے نہ رہا۔ اور جب مقصد سامنے نہ ہو گا تو پھر کئی مواقع ایسے آئیں گے کہ جھگڑے خود بخود کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً بس میں سفر ہے جو شخص کھڑکی کے ساتھ بیٹھے گا اس کو زیادہ آرام ملے گا اس کی نسبت سے جو درمیان میں بیٹھے گا۔ اب اس بات پر دل میں میل آ جائے گا۔ کہ کون کھڑکی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ بعینہٖ یہی بات سامنے آتی ہے جو کہ حالیؔ نے کہی تھی ؎

کہیں پانی پینے پلانے میں جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے میں جھگڑا

تو یہ چیزیں یہاں بہت نمایاں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج جو پہلی آیت پڑھی ہے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ لا وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط ان باتوں سے حج میں اجتناب کرنا ہے۔ پہلے سے آپ حضرات اس بات کا عزم مصمم کرلیں کہ کسی قسم کا آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ اپنا حق دوسروں کو دیں گے اور اپنے حق کے لئے کبھی دوسرے سے نہیں لڑیں گے، اب تو آپ حضرات ماشاء اللہ ایک امیر کی امارت میں سفر کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو شخص بھی سفر میں نکلیں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ امیر کا مطلب ہوتا ہے۔ "صاحب امر" امیر کو مشورہ تو دیا جاسکتا ہے لیکن اس پر کوئی مشورہ ٹھونسا نہیں جا سکتا، آپ اپنا مشورہ اپنی رائے دیدیں اس کے بعد آپ فارغ ہیں۔ اب امیر کا کام ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ اس کے فیصلے پر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کیجئے بلکہ یہ سوچئے کہ اس کو تو میں نے اپنا امیر مانا ہے اس کا ہر فیصلہ خوش دلی سے قبول کرنا ہے۔ اگر امیر کوئی کوتاہی کریگا ناانصافی کرے گا تو اللہ کے یہاں وہ جواب دہ ہوگا۔ اگر ہم خواہ مخواہ اس کے ساتھ جھگڑیں گے تو جو ہم نے معاہدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی کریں گے۔ اس سفر میں جو بھی روحانی و اخلاقی ترقی ہو، اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں —

اب میں آپ حضرات کو ایک اہم بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کی آپ شدت سے پابندی کریں۔ الحج کے احکامات کے متعلق فرمایا: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ایک تو یہ کہ حج میں مرد اور عورتیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ طواف اور رمی جمرات میں مرد اور عورتوں کی علیحدگی کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اور یہی وہ موقع ہوتے ہیں جب کہ شیطان کو انسان کے اندر شہوت کا جذبہ ابھارنے کا موقع ملتا ہے اس سے امکانی حد تک اپنے آپ کو بچانا ہے اپنی نگاہوں کو نیچے رکھنا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ عورتیں احرام میں ہونگی جس کی وجہ سے ان کے چہرے کھلے ہوں گے۔ اس لئے امتحان کڑا ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا۔ فلا رفث کوئی شہوت کی بات نہ کریں کہ جس سے جنسی تحریک پیدا ہو۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ایک نوجوان صحابی بھی تھے۔ کچھ خواتین کا ادھر سے گذر ہوا جو کہ احرام میں تھیں ان کے چہرے کھلے ہوتے تھے۔ ان صحابی کی نگاہ ایک خاتون کے چہرہ پر جم گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے کو پھیر

دیا۔ اور فرمایا: پہلی مرتبہ اتفاقاً نگاہ پڑجائے تو مواخذہ نہیں۔ مگر نامحرم کو بلا ارادہ دیکھنا جائز نہیں۔ آپ حضرات اس بات کی طرف خاص خیال رکھیں۔ کہ کسی نامحرم کی طرف نہ دیکھیں۔ دوسرے آپ اس بات کا بھی عزم کرلیں کہ وہاں کسی سے بھی نہیں جھگڑیں گے۔ اپنی مرضی یا مزاج کے خلاف اگر کوئی بات دیکھیں تو اس سے درگزر کریں اور اپنے آپ پر قابو رکھیں۔ تیسرے یہ کہ آپ جہاں جارہے ہیں۔ وہاں کافی مارکیٹیں ہیں اور چونکہ وہاں کسٹم وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے چیزیں سستی مل جاتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر حضرات مارکیٹوں میں چیزوں کی بھاؤ وغیرہ معلوم کرتے رہتے ہیں اور پھر آپس میں بھی بیٹھ کر اسی پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ اس کام میں ضائع ہوجاتا ہے۔ حالانکہ وہاں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور بعض عبادتیں تو ایسی ہیں جو کہ صرف اور صرف اسی جگہ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ دنیا کے کسی اور گوشے میں ادا نہیں ہوسکتیں مثلاً طواف ہے یہ صرف اس گھر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہاں کی سب سے افضل عبادت بھی یہی ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ جتنے طواف بھی کرسکیں کریں۔ اگر تھک جائیں تو بیٹھ کر خانہ کعبہ کو محبت تعظیم اور احترام سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

یہاں میں آپ کو اپنا ایک تاثر بھی بیان کروں گا کہ جب میں پہلی مرتبہ ۶۳ء میں حج پر گیا تھا تو جب میں نے مسجد حرام کا باہر کا نقشہ دیکھا کہ ساری کی ساری دیواریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں تو مجھ پر اچھا اثر نہیں پڑا۔ میں آپ کو سچ سچ بتاؤں کہ الٹا ردعمل ہوا۔ میں نے کہا کسی وال سٹریٹ کا بہت بڑا بنک بھی اس عمارت سے اچھا بنا ہوا نہیں ہوگا۔ لیکن اندر جاکر جب اس گھر پر نظر پڑی جس کی سادگی آج بھی وہی ہے جو کہ آج سے چودہ سو برس پہلے تھی۔ وہی ایک سیاہ کپڑا اس کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ اس میں کہیں کوئی سنگ مرمر نہیں۔ اس گھر پر نظر پڑتے ہی انسان کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ خانہ کعبہ کو دیکھنے کے وقت کی ایک خاص دعا ہے آپ حضرات اس کو یاد کریں۔ آپ کی زبان پر اس وقت اس دعا کا آجانا ہی درحقیقت یہ سب سے پہلی برکت ہوگی جو آپ کو حاصل ہوگی۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سعودی عرب کی حکومت اس حکم کی بڑی احسن طریقے سے تعمیل کررہی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دیا تھا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ میرے گھر کو پاک وصاف رکھ۔ پاک وصاف رکھنے میں ایک اس کی باطنی پاکی ہے۔ کہ

شرک سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور ایک اس کی ظاہری پاکی اور صفائی ہے کہ وہاں گندگی نہ ہو اور صفائی ستھرائی کا پورا پورا اہتمام ہو۔ تاکہ کوئی شخص جائے تو اس کی طبیعت میں انقباض نہ ہو۔

اس بیت اللہ کے اندر جو روحانی عظمت ہے اس کا اصل ادراک تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکی باطنی آنکھیں کھلی ہوں لیکن کچھ نہ کچھ ہمیں اپنی آنکھوں سے بھی نظر آتا ہے کہ اس میں کوئی شئے ہے جو کہ ہمیں کھینچتی ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ ہم اس کو الفاظ میں بیان کر سکیں کہ وہ کیا چیز ہے۔

مناسک حج میں سے جہاں تک طواف بیت اللہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تو مکہ مکرمہ ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قربانی کو عیدالاضحیٰ کی صورت میں روئے زمین ان تمام لوگوں کے لئے عام کر دیا گیا جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر کے ابراہیمؑ ہی کی معنوی ذریت میں شامل ہو گئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا کوئی صلبی نسلی تعلق ان سے ہے یا نہیں۔ چنانچہ ایک روایت کی رو سے جسے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے امام احمد ابن حنبل اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی اپنی مسند میں نقل کیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟" تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے!" — گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے اطاعت و فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت و استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متذکرہ بالا آیات کے متصلاً بعد ہی متنبہ فرما دیا گیا تھا کہ:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا	اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ	یا خون ہاں اس تک رسائی ہے
التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)	تمہارے تقویٰ کی۔

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اسی طرح قربانی کی رُوح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہو چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر صرف ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ رُوحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے!

بقول علامہ اقبال مرحوم

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہے، تو باقی نہیں ہے

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عیدِ قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم مصمم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اسی کی رضا پر قربان کر دیں گے ــــ گویا بقولِ شاعر ؎

"میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے۔"

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی :

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ افراد کا اتنا نتیجہ خیز اجتماع ہوا کہ چوبیس برس کے اندر اندر دنیا میں انقلاب آ گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بھی حج سے واپسی پر اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کر کے آئیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ احساس شدت سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری اپنے شانوں سے اُتار کر اب ہمارے کندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں آپ حضرات کو وہ پورا نقشہ بتانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے اندر بھی کوئی احساس پیدا ہو۔ حجۃ الوداع میں جب حضورؐ نے اپنا خطبہ ختم کر لیا تو آخر میں ایک سوال کیا۔ ھل بلغت لوگو کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے کہ نہیں؟ پورے مجمع نے ایک زبان ہو کر جواب دیا ہاں حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، حقِ

نصیحت ادا کر دیا، حقِ امانت ادا کر دیا۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی سوال کیا اور تینوں مرتبہ مجمع نے یہی جواب دیا۔ پھر روایات میں آتا ہے حضورؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور بارگاہ خداوندی میں تین مرتبہ عرض کی اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد اے اللہ تو بھی گواہ رہ کہ آج وہ بارِ گراں میرے کندھوں سے اتر کر ان کے کندھوں پر آگیا ہے۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے پہنچا دیا۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا ہے سب سے آخری جملہ جو آپؐ نے فرمایا وہ وہ ہے جو کہ ہر صحابی نے اپنے پلے باندھ لیا وہ یہ تھا فلیبلغ الشاھد الغائب اب لازم ہے ہر اس شخص پر جو کہ یہاں موجود ہے کہ پہنچائے یہ پیغام ان سب کو جو کہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس لئے کہ میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر نہیں آیا بلکہ میں تو پورے کرۂ ارضی کے لئے رسول بن کر آیا ہوں۔

――――― اے محمدؐ! ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر پوری نوع انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر۔ لیکن میں نے تو ابھی تم تک پہنچایا ہے ― (ظاہر بات ہے کہ ابھی ہندوستان تک حضورؐ کا پیغام نہیں آیا تھا۔ اسی طرح روس اور سائبریا کے لوگوں تک پیغام نہیں پہنچا تھا۔ یورپ اور افریقہ کے لوگوں پر بھی ابھی تک اتمام حجت نہیں ہوا تھا۔ حضورؐ نے تو ابھی صرف چند بادشاہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے تھے)۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس پیغام کو نوع انسانی کے ہر ہر فرد تک پہنچاؤ۔ خدا کرے کہ آپ میں سے ہر شخص کو احساس ذمہ داری عطا فرمائے۔

آپ حضرات سفرِ حج پر روانہ ہونے والے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ حج مبرور کی توفیق عطا فرمائیں حج مبرور وہ حج ہے کہ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اعمال ایسے ہیں کہ جن سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ صاف ہو جاتے ہیں پہلا عمل کفر سے اسلام میں داخل ہونا ہے۔ یعنی پہلے کافر تھا اب مسلمان ہو گیا اس سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا عمل اللہ کے لئے ہجرت ہے۔ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے گھر بار، وطن اور اہل و عیال کو چھوڑ دینا۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ کے درندہ صفت انسانوں کے حوالہ کر کے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، اور انہیں بخوبی علم تھا کہ مکہ والے ان کے بیوی بچوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ آخر وہی ہوا کہ مکہ والوں نے ان کے مال و اسباب اور

گھروں کو لوٹ لیا۔ تیسرا عمل جس سے کہ زندگی کے سابقہ گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں وہ حج مبرور ہے یعنی وہ حج جو کہ اللہ کے یہاں قبول ہو جاتے۔ اس حج مبرور میں شرط یہ ہے کہ آپ کی نیت درست ہو۔ اس میں ریاکاری نہ ہو۔ سفرِ حج اور دوسری ضروریات میں جو روپیہ خرچ کر رہا ہو۔ وہ جائز ذرائع سے کمایا گیا ہو، اور آئندہ کے لئے عزم مصمم کریں کہ آپ کی کمائی میں کبھی کوئی حرام پیسہ شامل نہ ہوگا اور اپنے پہلے کے اعمال پر اللہ سے توبہ کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں۔ آپ توبہ اس طرح کریں کہ اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہوں ور آئندہ کے لئے پکّا ارادہ کریں کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا تو اللہ تعالےٰ آپ کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ لوگوں کے جو حقوق غصب کئے ہیں ان کو ان کا حق لوٹا دیں، اور جن جن کے حق آپ کے ذمّہ میں ہوں ان کو ادا کر دیں۔ بہنوں کی اگر میراث وصول کو لی ہے تو اس کو واپس کرنے کی فکر کریں۔ اور آخری شرط میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں وہ یہ کہ: فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یہ پورا سفرِ حج آپ کا اس شان سے گزرے کہ اس میں کوئی معصیت یا گناہ نہ کیا ہو۔ کسی سے جھگڑا نہ کیا ہو۔ کسی کی دل آزاری نہ کی ہو۔ کسی سے تلخ کلامی نہ کی ہو۔ اپنے حقوق کی دست برداری کے لئے تیار ہوں۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے تیار رہیں ارکان حج میں سے آپ جس رکن کو بھی ادا کر رہے ہوں پورے ادب و احترام سے کریں، اور معلمین وغیرہ کے رویّہ سے بددل نہ ہوں۔ وہ لوگ تو کاروباری حضرات ہیں اور جو کچھ کاروباری حضرات میں ہوتا ہے وہ سب کچھ ہوتا ہے اس لئے ان کے افعال و اعمال سے صرف نظر کریں۔

آپ کی زندگیوں میں ایک انقلاب بپا ہوگا اور ہر ایک اللہ کے دین کا سپاہی بن جائے گا۔ اور ہر ایک یہ سمجھے گا کہ یہ دین میرے پاس ایک امانت ہے، اور اسے تمام انسانوں تک پہنچانا میری ذمّہ داری ہے۔ آپ کی زندگی کی بھاگ دوڑ بدل جائیگی۔

آخر میں مَیں ایک اور اہم بات کی طرف اشارہ کر دوں کہ اصل میں حج نام ہے "وقوف عرفہ" کا اگر حج کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو اس کی تلافی کفارہ وغیرہ سے پوری کر دی جا سکتی ہے مگر جس کا "وقوف عرفہ" رہ گیا اس کا حج نہیں ہوا۔ "وقوف عرفہ" زوال کے بعد سے شروع ہو کر غروب آفتاب کے بعد تک ہے، اور اس دوران میں تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب آتی ہیں۔ لیکن ظہر اور عصر کی نماز میدان عرفات سے باہر کسی

مسجد میں پڑھ کر میدان عرفات میں داخل ہوتے تھے ۔ اسی طرح مغرب کی نماز بھی یہاں نہیں پڑھ سکتے بلکہ مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر مزدلفہ میں پڑھیں گے وقوف عرفہ کی اصل عبادت دُعا ہے ۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کتابیں کھول کھول کر دُعائیں پڑھتے رہتے ہیں ۔ یہ دُعا مانگنا تو نہ ہوا بلکہ دُعا کی تلاوت ہو گئی ۔ دُعا کی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے ہمکلام ہو کر کچھ مانگ رہے ہوں ۔ تو جو دُعائیں آپ کو یاد ہوں وہ پڑھیں ۔ ایک دُعا جو کہ آپ میں سے ہر ایک کو یاد بھی ہو گی وہ آپ کو طواف کے ہر چکر میں رکن یمانی سے لے کر حجر اسود تک کے درمیان میں مانگتی ہے وہ ایک جامع دُعا ہے ۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اس کے علاوہ آپ جو چاہیں دُعا مانگیں ۔ اور یہ سارا وقت دُعائیں مانگنے کے لئے ہے ۔ اگر خدانخواستہ کیفیت ایسی ہو جائے کہ سب کچھ مانگ بیٹھا ۔ اب کیا مانگو اور سمجھ میں نہیں آ رہا تو تلاوت قرآن مجید شروع کر دیں ۔ اور یہ سارا وقت اسی میں گزاریں ۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ میرے لئے ہر جگہ دُعا کیجئے اس کے ساتھ دین کی جس خدمت کے لئے میں نے اور میرے ساتھیوں نے کمر کس لی ہے اس پر استقامت کے لئے اللہ سے دُعا کریں ۔ اور دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو دین کا سپاہی بنائے آمین ۔

اقول قولی ھذا استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ۔

**

ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے

ہدیہ فی نسخہ : تین روپے ۔ تبلیغی مقصد کیلئے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا

(نشست ۳۵)

الہدیٰ

تعمیر سیرت کی اساسات اور قرآن کا انسان مطلوب

سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی روشنی میں

(مباحث عمل صالح)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

(۳)

السلام علیکم ــــ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ــــ امابعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ۔ اِلیٰ قَوْلِہٖ تعالیٰ ــــ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝

فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ فِیْ سُوْرَۃِ الْمَعَارِجِ ــــ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ ــــ اِلیٰ قَوْلِہٖ تَعَالیٰ ــــ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

محترم حاضرین مجلس اور ناظرین کرام!

انسان کی انفرادی شخصیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کا جو قرآنی پروگرام اور لائحہ عمل ہے وہ پچھلی دو نشستوں سے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۃ المعارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵ کے حوالے سے زیر گفتگو ہے اور جس کا اصل مقصد ہے کہ انسانی شخصیتوں کے خام مال سے ایک تعمیر شدہ اور مستحکم سیرت و کردار وجود میں آئے۔ جس کا حوالہ علامہ اقبال کے اس شعر میں ہے ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو ۔ پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تُو

اور اس سے بھی زیادہ پیارے انداز میں اس بات کو علامہ اقبال نے فارسی میں ادا کیا ہے ؎

باش تشنۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

آپ کو معلوم ہے کہ اگر ریت کا ایک گولہ بنا کر اُسے آپ کسی شیشہ پر دے ماریں تو شیشہ نہیں ٹوٹے گا، اس کا کچھ نہیں بگڑے گا، وہ ریت خود ہی بکھر جائے گی، لیکن اس ریت کو آپ پکالیں، پختہ کریں اور وہ اینٹ کی شکل اختیار کر لے تو اب اس کی ضرب کاری ہوگی، نتیجہ خیز ہوگی۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے، جن کو علامہ اقبال اپنا مرشدِ معنوی کہا کرتے تھے، اسی بات کو بڑے سادہ لیکن پُر اثر انداز میں یوں ادا کیا ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر!

اسلام اور قرآن حکیم انسان کے سامنے جو اعلیٰ نصب العین پیش کرتے ہیں، اس کے حصول کے لیے جو جدوجہد درکار ہے اس کے لیے پہلے پختہ انسانی شخصیتیں ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان پختہ شخصیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے جو پروگرام اور لائحہ عمل قرآن مجید تجویز کرتا ہے، اس کا اوّل و آخر صلوٰۃ ہے ـــــ ہم نے اِن دو مقامات پر دیکھا کہ آغاز میں بھی ذکر نماز کا ہے اور اختتام پر بھی ذکر نماز کا ہے۔ میں اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تین احادیث سے واضح کروں گا کہ اسلام کا نقطۂ آغاز نماز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْاِسْلَامِ وَالْکُفْرِ الصَّلٰوۃُ ۔" اسلام اور کفر کے مابین امتیاز ہی قائم ہوتا ہے نماز سے" ـــــ پھر دیکھیے کسی عمارت کی درمیانی اور اہم شے ہوتی ہے اس کا عمود جس پر چھت کھڑی ہے۔ جسے ہم ستون کے نام سے جانتے ہیں، فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ ط " نماز ہی دین کا ستون ہے"۔ ـــــ پھر یہ کہ دین کی بلند ترین حقیقت کے بارے میں فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ " یہ صلوٰۃ مومنین کے لیے معراج کے درجہ میں ہے، معراج کے حکم میں ہے" ـــــ تو گویا کہ ابتداء بھی، اہم اور درمیانی عمود بھی اور چوٹی بھی ان تمام مرحلوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ نماز دین کی اہم ترین شے ہے۔ میں اگر اسے یوں تعبیر کروں کہ اگر ہم انسان کی سیرت سازی کو ایک شہر سے تشبیہہ دیں تو اس کے گرداگرد جو فصیل کھینچی ہوئی ہے وہ نماز ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس پہلو سے بھی اگر دیکھا جائے کہ نماز کو اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں قائم کرلے

تو اس کی زندگی گویا کہ ایک حصار میں آجاتی ہے، ایک کھونٹے سے بندھ جاتی ہے، پھر اس کے سارے پروگرام اس نماز کے حوالے سے طے ہوں گے۔ اس کی Appointments اگر ہوں گی تو نماز کے اوقات کو مدِ نظر رکھ کر ہونگیں۔ اس کے شب و روز کے جو معمولات ہوں گے تو ان میں فیصلہ کن چیز نماز ہوگی ـــ لہٰذا پوری انسانی زندگی کو شکنجہ میں کس لینے والی شے نماز ہے۔

آیئے پہلے ہم یہ سمجھیں کہ صلوٰۃ جو قرآن مجید کا اصل لفظ ہے جبکہ نماز فارسی کا لفظ ہے اور ان دونوں کا مفاہیم میں بڑا بنیادی فرق ہے۔ اب یہ ہماری مجبوری ہے کہ چونکہ ہمارے یہاں اسلام جب پہونچا ہے تو فارسی زبان کے حوالے سے پہونچا ہے لہٰذا اکثر اصطلاحاتِ قرآنیہ کا ترجمہ جو اردو میں مستعمل ہے وہ فارسی الاصل ہے۔ فارسی زبان میں ان الفاظ کا ایک اپنا مفہوم پہلے سے تھا۔ وہ کہیں غیر شعوری طور پر ان اصطلاحات کے اُس اصل مفہوم میں شامل نہیں ہوجانا چاہیے جو قرآن کریم اور ہمارے دین میں سے مراد ہے ـــ عربی زبان میں ص ل ی کا مادہ (Root) جس سے یہ لفظ صلوٰۃ بنا ہے، اپنے اندر دو بنیادی مفہوم رکھتا ہے ـــ اِقدَامُ اِلَی الشَّیْءِ، کسی کی طرف بڑھنا، کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا ـــ گویا کہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے اور متوجہ ہونے کا نام ہے، صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا نام ہے ـــ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ چونکہ مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی سے مشرف کرنے والی چیز ہے لہٰذا یہ حقیقی ایمان کے لیے معراج کے درجہ میں ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن ـــ یہی لفظ دعا کے مفہوم میں بھی آتا ہے، جب کوئی شخص کسی سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ہمہ تن متوجہ ـ اپنے قلب اور اپنے ذہن میں تمام تر اس کی طرف متوجہ ہوگا جب ہی تو دعا کرے گا ـــ یہی لفظ عنایت و شفقت کے مفہوم میں آتا ہے۔ جیسے سورہ احزاب میں وارد ہوا ہے، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ "بے شک اللہ صلوٰۃ بھیجتا ہے اپنے نبی پر اور اس کے فرشتے بھی"۔ اسی سورت میں آیا ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ ـــ کہ اے اہلِ ایمان اپنے نصیب پر فخر کرو کہ "وہ اللہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی"۔ اس سے مراد کیا ہے؟ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا مفہوم ہوگا ـ اس تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عنایت، شفقت، رحمت، توجہ ـــ فرشتوں کی طرف منسوب ہو کر اسی کا مفہوم ہوجائے گا ان کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مومنینِ صادقین کے لیے اللہ کی شفقت، عنایت رحمت اور توجہ کے لیے اس کے حضور میں دعا ـــ تو یہ سب باتیں اس لفظِ صلوٰۃ کے پہلے بنیادی مفہوم میں شامل ہیں۔

آپ میں سے اکثر کو معلوم ہوگا کہ صلوٰۃ کے آغاز کے لیے حدیث میں سورۂ انعام کی آیت نمبر ۷۹، کے یہ الفاظ مبارکہ بھی آتے ہیں اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ "میں نے اپنی توجہ کو مرتکز کر لیا ہے اس ذات کی طرف، اس ہستی کی جانب جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہر شے سے اپنی توجہ کو ہٹا کر، یکسو ہو کر اسیؐ کی جناب میں متوجہ ہو رہا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔ یہ صلوٰۃ کا نقطۂ آغاز ہے۔

صلوٰۃ کا یہ جو مفہوم ہے اس کے اعتبار سے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ صلوٰۃ یا نماز کا مقصد ذکرِ الٰہی بنتا ہے۔ آپ اس تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، وہ عزّوجلّ آپ کو یاد آتا ہے۔ اسی لیے سورۂ طٰهٰ میں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ "نماز کو قائم کرو، صلوٰۃ کو قائم رکھو میری یاد کے لیے"۔

اسی لفظ کا دوسرا بنیادی مفہوم ہے "آگ سے حرارت حاصل کرنا، تاپنا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل سے فرمایا تھا: اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ "میں نے آگ دیکھی ہے میں اس آگ کے پاس جا کر کوئی خبر لاؤں گا یا کوئی انگارا لاؤں گا تاکہ تم سردی سے بچنے کے لیے آگ سے خود کو تاپ سکو" (نمل-۷)۔ اس مفہوم کو بھی مدِنظر رکھیے، اس کے حوالہ سے حقیقتِ صلوٰۃ کا یہ پہلو سامنے آنا چاہیئے کہ یہ انسان کی روح میں اگر ضعف و اضمحلال پیدا ہو گیا ہو، اگر اس پر افسردگی طاری ہو گئی ہو تو اس میں حرارتِ تازہ پیدا کرنے کا ذریعہ صلوٰۃ ہے۔ جذباتِ ایمانی کے متعلق اگر محسوس ہو کہ ان پر کچھ ٹھنڈ طاری ہے یا اوس پڑ گئی ہے تو ان جذبات کے اندر از سرِ نو ایک حرارتِ ایمانی کا پیدا کرنا یہ صلوٰۃ کا مقصد ہے۔ ان دونوں بنیادی مفاہیم اور ان کے ذیلی مفاہیم کو ذہن میں رکھیے تو صلوٰۃ کا جو اصل مطلوب و مقصود ہے، جو اس کی اصل حکمت ہے، جو اس کی اصل غرض و غایت ہے، وہ سامنے آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے توجہ دلائی ہے کہ اگر یہ باطنی کیفیات موجود نہ ہوں تو پھر نماز ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ اس میں رکوع و سجود تو ہوتا ہے لیکن توجہ اللہ کی طرف ہوئی ہی نہیں۔ وہ ایک جسمانی مشقت تو ہو گئی لیکن اس کا جو اصل حاصل ہے، اس تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی۔ علامہ کہتے ہیں ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام	میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق	عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

توجہ اور انابت الی اللہ کے بغیر عباداتِ مفروضہ رسومات بن کر رہ جاتی ہیں، وہ رسم پرستی ہوتی ہے جو اصل حقائق و مقاصد ہیں، وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہا علامہ نے ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

البتہ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ جب یہ کیفیت ہوگی تو بھی یہ نماز فائدے سے بالکل خالی نہیں ہے۔ ایک شخص نے اگر اپنا وقت صرف کیا ہے۔ وہ اپنے کاروبار اور مشغولیات سے نکلا ہے۔ اس نے وضو کیا ہے۔ وہ نیت باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے تو اس نے جو جسمانی مشقت جھیلی ہے آخر اس کا اجر و ثواب تو اُسے ملنا چاہیئے۔ یہی وقت وہ کاروبار میں لگاتا، یہی وقت وہ زندگی کی کسی اور مصروفیت و مشغولیت میں صرف کرتا۔ اس سے وہ کوئی منفعت حاصل کرتا لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا کوئی اجر و ثواب نہ ہو — اجر و ثواب تو ملے گا۔ فرض کی ادائیگی فی نفسہٖ بہت بڑی بات ہے کہ اس نے اللہ کے ایک حکم پر عمل کیا ہے، امتثالِ امر بجا لایا ہے۔ لیکن نماز کے جو اصل مقاصد ہیں وہ حاصل نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ وہ توجہ نہ ہو، وہ انابت نہ ہو، وہ خشوع اور خضوع نہ ہو، وہ حضوریٔ قلب کی کیفیت نہ ہو جو مطلوب ہے — علامہ اقبال اس کے متعلق جذبات سے مغلوب ہو کر کہتے ہیں ؎

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور　　ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گزر

اب آگے چلئے۔ اس صلوٰۃ کا ایک ظاہری نظام ہے، اس کی ہیئات ہیں، سکنات ہیں، حرکات ہیں۔ اس میں تکبیر تحریمہ ہے۔ ہاتھوں کا اٹھانا ہے، اس میں قیام ہے، رکوع ہے، پھر قومہ ہے، پھر سجدہ ہے، پھر جلسہ ہے، پھر سجدہ ہے۔ یہ ایک رکعت کی تکمیل ہوئی — اس کے اوقات ہیں۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ اس میں رکعتوں کی تعداد کا تعین ہے۔ پھر نمازِ باجماعت کا نظام ہے۔ یہ پورا صلوٰۃ کا نظام ظاہری ہے۔ اس کے بارے میں اولاً تو یہ اصل الاصول ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ سارا کا سارا منقول ہے، ماثور ہے، مسنون ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس کی اصل بنیاد میرا اجتہاد یا آپ کا اجتہاد یا کسی اور کا اجتہاد نہیں ہے۔ شخصی اجتہاد پر معاملہ لے آئیں گے تو سب کی نماز علیحدہ علیحدہ ہو جائے گی۔ یکسانی نہیں رہے گی، ایک رنگی نہیں رہے گی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ — "صلوٰۃ ایسے ادا کرو، نماز ایسے پڑھو، جیسے مجھے دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں"۔

اس صلوٰۃ کے ظاہری نظام کے بارے میں یہ بات بھی جان لیجئے کہ اس میں ہمیں عجیب حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اجتماعی سطح پر تطہیر و تنظیم کا ایک نہایت اعلیٰ نظام اس کے ذریعہ سے قائم کیا گیا ہے۔ اجتماعی طور پر نماز ادا ہو رہی ہے، ایک ہی وقت ہر روز دن میں پانچ مرتبہ مسلمان مساجد میں جمع ہو رہے ہیں، اجتماعی ماحول اس کے لیے جزوِ لازم بن گیا ہے۔ جزوِ لاینفک ہے۔ پھر اس میں تنظیم کا معاملہ مستقل طور پر ہو رہا ہے۔ محلہ وار تنظیم بھی ہے۔ جمعہ کے دن اس سے بھی بڑی تنظیم ہے۔ عیدین میں

بڑے بڑے شہروں میں تنظیم ہے. حج کے موقع پر پورے کرۂ ارضی سے وہ لوگ جوق جوق جمع ہوتے ہیں جو ماننے والے ہیں توحید کے اور جو کہ گواہ ہیں محمد رسول اللہ کے صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس طرح مسلمانانِ عالم کا عالمی اجتماع اور عالمی تنظیم کا مظاہرہ ہو رہا ہے. پس معلوم ہوا کہ اس نظام صلوٰۃ میں اجتماعی تطہیر و تنظیم بھی پیشِ نظر ہے.

آگے چلیے ۔ نظام صلوٰۃ کے متعلق یہ بات جان لیجئے کہ اس میں اہم ترین چیز ہو گی محافظت اور مداومت ۔۔ اس نظام کو مستقل قائم و دائم رکھنا. یہ نہیں کہ جب چاہا نماز ادا کر دی، جب چاہا گول کر دی. گینڈے دار نماز ہو تو وہ پھر اقامتِ صلوٰۃ نہیں ہو گی. یا جب جی چاہا نماز پڑھ لی اوقات کی پابندی نہیں کی گئی. یا بلا کسی عذر اور مجبوری کے گھر میں ہی ادا کر لی. مسجد میں حاضر نہیں ہوئے. یہ طرزِ عمل اقامتِ صلوٰۃ کے تقاضوں کو ختم کر دینے والی چیز ہے. اس کی اجتماعی مصلحتیں اور حکمتیں اس طرح بالکل ضائع ہو جائیں گی، اس کے لیے لازم ہے محافظت اور مداومت ۔۔ میں نے یہ دونوں الفاظ اسی سبق سے لیے ہیں، سورہ مومنون اور سورہ معارج میں صلوٰۃ کے لیے جو آخری بات آئی ہے وہ محافظت ہے. سورہ مومنون میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ط اور سورہ معارج میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں، اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں، اس کے تمام قواعد و ضوابط اور اس کے تمام آداب کی پابندی ملحوظ رکھتے ہیں ۔۔ نیز سورہ معارج میں فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ط" وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں مداومت ہمیشگی اور پابندی کرتے ہیں". لہٰذا صلوٰۃ کے نظامِ ظاہری کے ساتھ اقامت، محافظت اور مداومت ان تین الفاظ کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیجئے.

آگے چلیے ۔ صلوٰۃ کی ایک ہے روحِ باطنی ۔۔ اس کے لیے لفظ خشوع آیا. قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ "فلاح سے ہمکنار ہوئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں". یہاں خشوع سے اصلاً مراد ہے، انسان کی معنوی شخصیت کا اپنے رب کے حضور میں جھک جانا. ظاہری طور پر تو جسم جھک ہی رہا ہے. آپ کھڑے ہوتے ہیں تو اس انداز سے جس میں جھکاؤ ہوتا ہے. سینہ تان کر کھڑے نہیں ہوتے. پھر رکوع کرتے ہیں، تو مزید جھکاؤ ہو گیا ہے. پھر جب سجدے میں گئے تو جھکاؤ کی انتہا ہو گئی ۔ لیکن اگر صرف ظاہری جسم جھک رہا ہو لیکن وہ معنوی شخصیت، وہ اندر کا انسان، اگر اس کی گردن اکڑی ہوئی ہو، وہ اللہ کے سامنے معنوی طور پر سرنگوں اور SURRENDER نہ ہو رہا ہو. انسان کا نفس امارہ سرکشی اور تمرد پر تُلا ہوا ہو، وہ اللہ کے سامنے نہ جھک رہا ہو تو ظاہری

نماز تو ادا ہو گئی لیکن وہ جو حقیقی نماز ہے وہ ادا نہیں ہوگی۔ اسی لیے اس سبق میں خشوع کی طرف بھی توجہ دلا دی۔ خشوع و خضوع اور حضورِ قلب یہ ہیں باطنی کیفیات جو مطلوب ہیں اور اقامت، محافظت اور مداومت یہ وہ چیزیں ہیں جو نظامِ صلوٰۃ کے ظاہر کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس ظاہر کے ساتھ اسلامی معاشرے کی اجتماعی مصلحتیں وابستہ ہیں اور اُس باطنی کیفیات کے ساتھ ایک بندۂ مومن کی اپنی ذاتی سیرت و کردار کی تعمیر کا اور اس کے ترفع کا مسئلہ متعلق و وابستہ ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے نماز سے وہ اصل و حقیقی برکات ظاہر ہوتی ہیں، جن کا ذکر سورہ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ کے درمیان میں فرمایا گیا ہے۔ جو آپ اکثر خطبہ جمعہ کے اختتام پر سنتے ہوں گے۔ کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ "بے شک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بُری بات سے اور اللہ کی یاد ہی ہے سب سے بڑی، اعلیٰ اور ارفع بات"۔ لیکن اگر اس کے برعکس معاملہ ہوگا تو صلوٰۃ کی ادائیگی کے باوجود معاشرہ ان برکات سے محروم رہے گا۔

ایک بات اور جان لیجئے کہ نمازوں میں ایک تو ہیں فرض نمازیں اور بقیہ نوافل سنن ہیں۔ فرض نمازیں لازم ہیں ان کو ہر صورت میں ادا کرنا ہے۔ البتہ ان کی ادائیگی کے لیے خود ہی شریعت نے چند رعایتیں دے رکھی ہیں۔ مثلاً کوئی عذر ہے تو آپ مسجد میں نہ جائیں۔ نماز گھر میں ادا کرلیں۔ بیمار ہیں گھر میں پڑھ لیں، اس سے بھی زیادہ معذور ہیں لیٹ کر پڑھ لیں جس میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، قاعدہ کے لیے اشارات کفایت کریں گے۔ ایسی رعائتیں خود شریعت نے فراہم کردی ہیں۔ لیکن فرض نماز کا قصداً ضائع کردینا۔ تو اس کے بارے میں یہ جان لیجئے کہ یہ گویا حقیقی و قلبی ایمان کا ضائع کردینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے سورۂ معارج میں دیکھا کہ وہاں اس مقام پر لفظ "مُصَلِّیْنَ" لایا گیا ہے جس مقام پر سورۂ مومنون میں "مُؤْمِنُوْنَ" کا لفظ آیا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ اور سورہ معارج میں فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝

بہرحال ہماری آج کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تعمیرِ سیرتِ انسانی کے قرآنی پروگرام کا مرکز و محور، اس کا نقطۂ آغاز اور اس کی آخری منزل یہ سب صلوٰۃ پر مبنی ہے۔

اب آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کے بارے میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال:۔ ڈاکٹر صاحب! آج کے درس میں آپ نے فرمایا ہے کہ نماز سیرت سازی میں اہم کردار ادا

کرتی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اکثر نمازیوں میں وہ اوصاف نظر نہیں آتے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:- میں نے عرض کیا تھا کہ نماز کا ایک ظاہر ہے ایک اس کا باطن ہے۔ تو ظاہر کی پابندی جس طرح ہو رہی ہے، اُسے بھی بہرحال میں غنیمت سمجھتا ہوں۔ میں اس کی اہمیت کم کرنا نہیں چاہتا تاہم ہمارے یہاں اس وقت جو کمی ہے وہ نماز کی اصل روح سے متعلق ہے۔ یعنی خشوع و خضوع، حضور اور خلوص واخلاص ـــــ ان تمام چیزوں کا تعلق ہے ایمان کے ساتھ ـــــ چونکہ ہمارا ایمان بہت سے اسباب سے مضمحل ہو گیا ہے لہذا جو کیفیات باطنی نمازیں ہونی چاہئیں، وہ بھی نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ نمازیوں کا تناسب بھی ہمارے معاشرے میں بہت ہی کم ہے۔ چنانچہ یہ وجوہ ہیں کہ نماز کے جو اصل نتائج ہیں وہ ظاہر نہیں ہو رہے اور نماز کی حقیقی برکات سے ہمارا معاشرہ کم و بیش محروم ہے۔ بہرحال اس کے لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے ایمان کو پختہ کریں۔ دعوتِ ایمانی کے داعی بنیں۔ جب ایمانی کیفیات کے ساتھ معاشرے میں نماز ادا کی جائے گی تو اس کا جو لازمی نتیجہ ہمارے اخلاق و اعمال میں کھلنا چاہیئے وہ برآمد ہو گا اور معاشرہ نماز کی برکات سے بہرہ مند ہو گا ـــــ ان شاء اللہ العزیز ـــــ

حضرات! ہماری آج کی گفتگو اکثر و بیشتر نماز سے متعلق رہی ہے۔ جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا ستون بھی قرار دیا اور اہلِ ایمان کے حق میں معراج بھی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو ہمیں نماز کی محافظت اور مداومت کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی زندگیوں میں نماز کو قائم کریں جیسا کہ اُس کو قائم کرنے کا حق ہے۔ اور دوسری طرف نماز کی جو اصل روح ہے یعنی خشوع و خضوع، حضورِ قلب اور خلوص و اخلاص اس سے بھی اللہ تعالیٰ ہمیں حصہ وافر عطا فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

(۴)

نشست ۳۶

السلام علیکم ـــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ـــــ امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ

اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وقال تبارك وتعالى

فی سورۃ المعارج :

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ ——— صدق اللہ عظیم

محترم حاضرین اور معزز ناظرین!

انسان کی سیرت وکردار کی تعمیر کے ضمن میں جو اساسی پروگرام قرآن حکیم ہمیں دیتا ہے، اس کے جزوِ اول کے بارے میں جو اس لائحۂ عمل کا اہم ترین جزو ہے، اس کے متعلق ہم نے سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج کی آیات میں یہ دیکھا کہ دونوں جگہ کامل مطابقت ہے کہ اولاً بھی ذکر صلوٰۃ کا آیا دونوں مقامات پر اور اختتام بھی صلوٰۃ پر ہوا۔ پھر یہ کہ دونوں جگہوں پر صلوٰۃ کی محافظت پر بہت زیادہ زور دیا گیا۔ سورہ مومنون میں خشوع وخضوع کی طرف توجہ دلائی گئی اور سورہ معارج میں مداومت کی طرف متوجہ کیا گیا۔ ان تمام چیزوں کو جمع کر لیا جائے تو اس سے اقامتِ صلوٰۃ کی اصطلاح وجود میں آتی ہے، چنانچہ ہم بعد کی سورتوں میں قرآن حکیم میں اسی اصطلاح کو دیکھتے ہیں: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور وَالَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔

اب آگے چلیے! اس پروگرام کے جو دوسرے اور تیسرے اجزا ہیں، ان کے ضمن میں ہمیں دو باتیں نظر آتی ہیں، جن کا دونوں سورتوں میں تذکرہ ہو رہا ہے۔ ان میں آپ دیکھیں گے کہ ایک تو ترتیب عکسی ہے یعنی سورہ مومنون میں پہلے ذکر ہے اعراض عن اللغو کا — اور بعد میں ذکر ہے زکوٰۃ اور تزکیہ کا — سورہ معارج میں پہلے ذکر ہے زکوٰۃ اور تزکیہ کا اور پھر ذکر ہے ایمان بالآخرہ ایمان بالقیامہ کا۔ جس کا بڑا گہرا تعلق ہے اعراض عن اللغو سے — پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان دونوں اوصاف کے بیان میں تعبیر کے لیے دونوں مقامات پر جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ قدرے مختلف ہیں اور ان سے ہمیں ان دونوں کی اصل حقیقت اور اصل روح کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ہم اس وقت گفتگو کریں گے سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کی ترتیب کے تحت۔ چنانچہ اس میں مفلحین کا جو دوسرا وصف آیا ہے وہ ہے اعراض عن اللغو — لغو کا مفہوم معصیت یا گناہ نہیں ہے بلکہ وہ کام مراد ہے جو خواہ بنفسہٖ مباح ہو، اس کی شریعت میں ممانعت نہ ہو۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ

انسان کو نہ پہونچتا ہو۔ انسان کے وقت کی قدر و قیمت کے معاملہ پر قرآن مجید بہت زور دیتا ہے۔ اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے کہ یہی انسان کا اصل سرمایہ ہے۔ یہی اس کا اصل راس المال ہے۔ اس وقت ہی سے انسان کو بنانا ہے۔ جو کچھ بھی بنانا ہے اور اس وقت ہی میں بننا ہے جو کچھ بھی بننا ہے۔ لہٰذا اس وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہونا چاہیئے یہ وقت یا تو کسی حقیقی دنیوی ضرورت کو پورا کرنے میں صرف ہو اور یا اس کے ذریعہ سے آخرت کے لیے کوئی کمائی کی جائے، ہر وہ کام جس سے نہ تو کوئی دنیوی ضرورت حاصل ہو رہی ہو اور نہ جس کے ذریعہ آخرت کے لیے انسان کوئی کمائی کر رہا ہو، تو ایسا کام 'لغو' شمار ہوگا خواہ وہ ممنوعات کی فہرست میں شامل نہ ہو، وہ حرام و ناجائز نہ ہو، وہ معصیت اور گناہ نہ ہو۔ اس حقیقت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ ط یعنی۔ انسان کے دین اور اسلام کے حسن اور خوبی میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ وہ اس چیز کو ترک کردے جو لایعنی ہو۔ جس کا کوئی فائدہ اسے نہ پہونچ رہا ہو۔ تو ہر لایعنی اور غیر مفید کام کو چھوڑ دینا یہ ہے اعراض عن اللغو۔

اب آپ غور کیجیئے کہ اصل میں اس کا گہرا تعلق ہمارے تصورِ حیات سے ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا کی زندگی کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ بس کل یہی زندگی ہے۔ بعث بعد الموت نہیں، کوئی آخرت نہیں، کوئی جزا و سزا نہیں پھر تو ظاہر بات ہے کہ اپنی معاشی ضروریات سے جو وقت بھی بچ رہا ہو گا اس کا وہ کوئی مصرف تلاش کرے گا۔ کوئی HOBBY ہو کوئی مشغلہ ہو کوئی AMUSEMENT ہو، کوئی تفریح ہو، وقت گزاری (TO PASS TIME) کے لیے کوئی شغل ہو۔ لیکن جب ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اصل میں اس دنیا کی زندگی تو ایک دیباچہ ہے، ایک مقدمہ ہے۔ اصل کتاب زندگی تو موت کے بعد کھلے گی: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ٥ "اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اصل گھر تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش انہیں معلوم ہوتا" جب یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی تو غور سے سماعت فرمایئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی پیاری حدیث ہے جس میں حضورؐ نے وہ نتیجہ بیان فرما دیا جو اس حقیقت کے انکشاف سے برآمد ہوتا ہے۔ فرمایا الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے: الدنیا مزرعۃ الآخرہ۔ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ یہاں بوؤ گے تو وہاں کاٹو گے۔ ظاہر بات ہے کہ اب اس دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہو گیا۔ ہمیں اس میں بونا ہے تاکہ اُسے ہم آخرت میں کاٹ سکیں۔ لہٰذا جس کے دل میں یہ ایمان بالآخرہ ہوگا وہ اپنے وقت

کی جس طرح قدر و قیمت کا احساس کریگا، ایسا اس شخص کا معاملہ نہیں ہو سکتا جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ چنانچہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں خاص طور پر وہ سورتِ مبارکہ جہاں سے ہمارے اس سلسلہ درس کا آغاز ہوا، اس میں ہم نے جو پہلا لفظ پڑھا وہ ہے "والعصرِ" "زمانہ کی قسم ہے"۔ یہ زمانہ تیزی سے گزرا جا رہا ہے۔ یہی تمہارا راس المال ہے۔ میں نے اس وقت آپ کو بتایا تھا کہ ایک مفسر نے بڑی عبرت انگیز مثال پیش کی ہے کہ برف کا ایک تاجر چلاتا ہے کہ لوگو! رحم کرو اگر میرا یہ برف فروخت نہ ہوا تو میرا جو راس المال ہے وہ پگھل جائے گا۔ دوسرے کا معاملہ یہ نہیں ہوتا کوئی دوکاندار جو منیاری یا پرچون کا سوداگر ہو وہ رات کو دوکان بند کر دے تو اس کا مال اس کے پاس محفوظ رہتا ہے۔ راس المال تو کہیں نہیں جاتا! لیکن برف کے تاجر کا تو اصل راس المال پگھلا جا رہا ہے۔ شاید میں نے ایک انگریزی نظم PSALM OF LIFE کے حوالے سے پہلے بھی یہ بات بیان کی ہے۔ اسے پھر سن لیجئے۔

Art is long and time is fleeting
And our hearts though stout and brave

Still, like muffled drums are beating
Funeral marches to the grave

"یہ وقت دوڑ رہا ہے، گزر رہا ہے، بھاگ رہا ہے، اس وقت کی قدر کرو ہمارے دل کی ہر دھڑکن گویا ہماری قبر سے ہمیں قریب تر کر رہی ہے"۔ یہ احساس اگر سامنے ہو تو معلوم ہوگا کہ وقت کی کیا قدر و قیمت ہے! لہٰذا یہاں جو دوسرا وصف تعمیرِ سیرت کے ذیل میں بیان ہوا وہ ہے 'اعراض عن اللغو' اور اس پر سورہ معارج کے ان الفاظ سے روشنی پڑی: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ٥ " وہ لوگ جو روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں، قیامت کے دن کو مانتے ہیں"۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ٥ " اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب کے خیال سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں"۔ اور واقعہ یہ ہے کہ: اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ٥ "بے شک ان کے رب کا عذاب چیز ہی ایسی ہے جس سے بے خوف اور بے فکر ہوا ہی نہیں جا سکتا"۔

تیسرا وصف سورہ المؤمنون میں یہ بیان ہوا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ٥ "اور وہ لوگ جو زکوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں"۔ میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی کہ جب زکوٰۃ کا قرآن مجید میں ایک اصطلاح کے طور پر ذکر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ فعل آتا ہے۔ اِیتاء — اِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ، آتَاءُ الزَّکٰوۃَ

اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ــ تو اس طور پر زکوٰۃ کا لفظ ہے اصطلاحاً ــ جیسے اقامت الصلوٰۃ ــ اور ایتاء الزکوٰۃ ــ لیکن یہاں فرمایا گیا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ؕ ــ اس میں ایک تو دراصل زکوٰۃ کی جو بنیادی حقیقت ہے، اس کی طرف توجہ دلائی گئی اور دوسرے یہ کہ ' فاعلون ' فرما کر اس بات کو واضح کیا گیا کہ وہ لوگ جو مسلسل یہ عمل کرتے رہتے ہیں ــ یہاں اس بات کو جان لیجئے کہ زکوٰۃ کا اصل مفہوم اور اس کی بنیادی حقیقت کیا ہے! جیسے فا ۔ لام ۔ ح کے مادّے سے ہم نے فلح کا مفہوم سمجھا تھا۔ ایسے ہی ز ۔ ک اور ی جسے عربی میں کہا جائے گا زا، ک، یا ۔ اس کے حوالے سے اس کا اصل مفہوم کیا ہے! اسے آپ ایک مالی کے عمل پر قیاس کر کے بخوبی سمجھ سکیں گے ۔ ایک مالی ہے اس نے ایک باغیچہ لگایا ہے جس میں کچھ پودے اس نے خود لگائے ہیں جو یا پھل دار ہیں یا پھول دار ہیں، لیکن اس باغیچہ میں خود رو گھاس اور کچھ جھاڑ جھنکاڑ اپنے آپ اُگ آتا ہے اور یہ خود رو گھاس یا جھاڑ جھنکاڑ اِن پودوں کے نشوونما میں رکاوٹ بنتا ہے ۔ زمین میں جتنی قوتِ نمو ہے اُسے اگر یہ خودرو گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ نہ کھینچ رہے ہوں تو یہ ساری قوتِ نمو اُن پودوں کو ملے گی جو اس مالی نے خود لگائے ہیں ۔ ورنہ یہ گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ بھی اس میں سے اپنا حصہ وصُول کریں گے ۔ اسی طرح ہوا کی آکسیجن سے سورج کی تمازت سے ہو سکتا ہے کہ یہ خودرو چیزیں ان پودوں کے لیے رکاوٹ بن رہی ہوں ۔ لہٰذا مالی جس کا نشان کھرپا ہے جو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہ اس کے ذریعہ سے اس باغیچہ کے اندر سے تمام خود رو گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ کو علیحدہ کر دے گا ۔ مالی کا یہ عمل 'تزکیہ' ہے ۔ اصل مفہوم یہ ہوا کہ کسی شئے کے نشوونما میں جو رکاوٹ ہو اس کو دور کر دینا تزکیہ ہے ۔ اب اس بات کو جان لیجئے کہ ہر انسان، ہر فردِ نوعِ بشر اللہ تعالیٰ کی کیاری کا ایک پودا ہے جو اس نے لگایا ہے ۔ اللہ چاہتا ہے کہ یہ پروان چڑھے، پھلے پھُولے ۔ اس میں جو استعدادات اللہ نے ودیعت کی ہیں وہ پورے طور پر بروئے کار آئیں ، نشوونما پائیں ۔ انسان اپنے اُس اصل مقام کو حاصل کرے جس کے لیے اللہ نے اُسے بالقوہ یعنی (POTENTIALLY) تخلیق فرمایا ہے ۔ لیکن کچھ چیزیں اس کے اس نشوونما میں رکاوٹ بنتی ہیں، اس بات کو اس ضرب المثل سے سمجھئے کہ " ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں " ان تمام چیزوں کو جمع کریں گے تو وہ ہے حُبِّ دنیا ــ دنیا کی محبت ۔ چنانچہ آپ قرآن مجید میں بار بار دیکھیں گے کہ انسان کی گمراہی اور بے راہ روی کے اصل سبب کی تشخیص جہاں ہوتی ہے وہاں عموماً یہ بات آئے گی: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى " تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت

بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی"۔ کہیں فرمایا جاتا ہے : کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ سورہ قیامہ کے درس میں ہم نے ان آیات کا مطالعہ کیا تھا کہ تمہاری گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ حُبِّ عاجلہ میں تمہارے دل گرفتار ہو گئے ہیں اور آخرت کو نظر انداز کرتے ہو۔ اور عاجلہ سے مُراد ہے یہ دنیا۔

اب ذرا ایک قدم اور آگے آیئے، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس حُبِّ دنیا کا سب سے بڑا نشان، اس کی سب سے بڑی علامت، اس کا سب سے بڑا symbol حُبِّ مال ہے: وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا "تم مال سے بڑی محبت کرتے ہو اور اُسے جمع کرنے کی تم پر دُھن سوار رہتی ہے"۔ اور سورۃ الھُمَزَۃ میں فرمایا: اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ (تباہی ہے اس شخص کے لیے) جس نے مال جمع کیا اور اُسے گِن گِن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اُسے دوام بخشے گا"۔ پس یہ مال کی محبت ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے انسان کے اخلاقی ارتقا میں، اس کی اعلیٰ اقدار کی نشو ونما میں — جس رُخ پر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کی شخصیت ترقی اور نشو ونما پائے، اس کا ارتقا ہو، اس کی تعمیر ہو، اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے مال کی محبت — لہٰذا اس مال کی محبت کو دل سے کھرچنے کے لیے نسخہ ہے انفاقِ مال — مال کا اللہ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لیے خرچ کرنا — وہ خیرات وصدقات ہوں، وہ محتاجوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کی مدد میں صرف ہو رہا ہو، وہ قرابت داروں کا حق ادا کرنے میں صرف ہو رہا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں صرف ہو رہا ہو، وہ پیغامِ الٰہی کی نشر واشاعت کے لیے صرف ہو رہا ہو، وہ دین کی سربلندی اور غلبہ کے لیے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرنے کے لیے صرف ہو رہا ہو — یہ ہے اصل میں عملِ تزکیہ — یہ کرتے رہو گے تو دل سے مال کی محبت ختم ہو گی جو اصل علامت ہے حُبِّ دنیا کی — اور حبِّ دنیا کا یہ BRAKE اگر کھل گیا، اس کی گرفت اگر ختم ہو گئی تو اب تمہاری گاڑی پوری رفتار کے ساتھ اس شاہراہ پر چلے گی کہ جس پر چل کر تم تعمیرِ ذات، تعمیرِ خودی، تعمیرِ شخصیت، تعمیرِ سیرت وکردار کے باب میں ترقی کر سکو گے۔

اب اس ارتقا و ترقی کے لیے قرآن مجید نے ایک دو گونہ پروگرام بنایا ہے، جیسا کہ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا کہ صلوٰۃ میں وہ نماز بھی شامل ہے جو فرض ہے جس کو ہر حالت میں آپ نے ادا کرنا ہے۔ وہ روزانہ پانچ فرض نمازوں کا نظام — اور اس کے ساتھ ہی نفل نمازوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ اسی طریقہ

سے اس زکوٰۃ کے عمل کے بھی دو اجزا کر دیئے گئے۔ ایک زکوٰۃ تو لازم اور فرض ہو گئی۔ اس کے لیے ایک خاص حد معین کر دی گئی ہے جسے 'نصاب' کہا جاتا ہے۔ مالی حیثیت سے اس سے زائد جو بھی ہے اس پر شرحِ نصاب کے مطابق لازماً رقم لے لی جائے گی، اس کی ادائیگی فرض ہے۔ اس کو اصطلاحاً زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ لیکن عمل تزکیہ تو دائم ہے، اس میں صرف زکوٰۃِ مفروضہ ہی نہیں بلکہ اس کے سوا آگے بڑھ کر اور دو۔ جیسے ہمارا دوسرا سبق تھا آیتِ بِر جس میں فرمایا گیا: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ۚ یہاں فرض زکوٰۃ کا علیحدہ ذکر ہے اور اس سے پہلے ذکر کیا گیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ اور دو، بڑھ چڑھ کر دو۔ جس کی جب آخری حد پوچھی گئی کہ حضورؐ کہاں تک دیں! تو اس کی قرآن مجید میں وضاحت فرمائی گئی۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ "یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا دیں! تو اے نبیؐ! ان سے کہیئے جو بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہے اسے دے ڈالو"۔ پھر مزید تشویق و ترغیب کے لیے فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ "تم نیکی کے (بلند ترین) مقام تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ چیز صرف نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے"۔ اب یہ ہے وہ عمل تزکیہ جس کی ترغیب و تاکید قرآن مجید میں بار بار آتی ہے۔ آخری پارے کی سورۃ الشمس میں نفسِ انسانی کے بارے میں فرمایا گیا: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ "گواہ ہے یہ نفسِ انسانی اور جو اللہ نے اسے بنایا اور سنوارا اور اس میں طرح طرح کی صلاحیتیں رکھیں۔ اس میں بہت سی استعدادات ودیعت فرمائیں، پھر اس میں نیکی اور بدی کا شعور بھی الہامی طور پر پیدا فرما دیا۔ تو جس کسی نے اس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہوا اور جو شخص اسے مٹی میں دبا بیٹھا جس نے اسے خاک آلود کر دیا وہ ناکام و نامراد ہوا"۔ یہی بات ہم سورۃ الاعلیٰ میں دیکھتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ "کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے تزکیہ حاصل کر لیا اور اس نے اپنے ربّ کا نام جپا اور اس نے نماز ادا کی"۔ سورۃ الاعلیٰ کی یہ دو آیتیں سورہ مومنون کی ان آیات سے بہت مشابہ ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۔

لہٰذا آج تعمیرِ سیرت کے قرآنی پروگرام میں دو چیزیں ہمارے سامنے آئیں ایک اِعْرَاض عن اللّغو جس کا براہِ راست تعلق ہے ایمان بالآخرہ اور ایمان بالقیامہ سے ۔ اور دوسرے تزکیہ پر

مسلسل عمل پیرا رہنا۔ اسی کے لیے سورہ معارج میں یہ الفاظ آئے : وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ " وہ لوگ کہ جن کے اموال میں حق ہے ، جو جانا پہچانا ہے سائل کے لیے بھی اور محروم کے لیے بھی"۔

اب آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے ضمن میں اگر کوئی سوال یا اشکال ہو تو آپ پیش فرمائیں. میں حاضر ہوں۔

سوال وجواب

سوال : ڈاکٹر صاحب ! جو لوگ ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔؟

جواب : یہ مضمون اصل میں ہمارے اِس منتخب نصاب کے دوسرے سبق کے درس کے ضمن میں بڑی تفصیل سے زیرِ بحث آچکا ہے۔ میں نے اس وقت قرآن مجید کے متعدد مقامات کے حوالہ سے یہ بات عرض کی تھی کہ قرآن مجید نیکی کا لازمی جزو اور اس کی لازمی شرط قرار دیتا ہے " اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرسکنا"۔ میں نے آج بھی اس آیت کا حوالہ دیا تھا : لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط۔ جن لوگوں میں یہ وصف نہیں ہے ، وہ عابد ہو سکتے ہیں ، زاہد ہو سکتے ہیں ، وہ ازروئے قرآن نیک قرار نہیں پا سکتے۔ پھر قرآن مجید اہلِ ایمان کی سیرتوں کی تعمیر جس رخ پر کرنا چاہتا ہے اس میں انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کی بڑی اہمیت ہے۔

سوال : آپ نے پچھلے سبق کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اس میں مانگنے والوں کو دینے کی ترغیب آئی ہے۔ کیا اس طرح گداگری کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی ؟

جواب : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہمیں بڑی متوازن تعلیم دی ہے۔ ایک طرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی بڑی شدّت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ انسان کے شرف اور اس کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے کسی انسان کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ جسے مانگنا ہو، اللہ سے مانگو۔ حضورؐ نے اس کو انتہا تک پہنچایا کہ فرمایا کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی درکار ہو تو اللہ سے مانگو۔ البتہ دوسری طرف یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی صورت سے دوچار ہے اور ایسے مخمصہ میں گرفتار ہو گیا ہے کہ وہ اپنی عزتِ نفس اپنی ہتھیلی پر رکھ کر آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ تو اب یہ آپ کی مروّت

وشرافت کے خلاف ہوگا کہ آپ اسے دھتکار دیں۔ قرآن مجید بھی یہی تعلیم دیتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ٥ اگر کچھ دے سکتے ہوں تو ضرور دیں، نہ دے سکتے ہوں تو نرمی سے معذرت کر دیں۔ موجودہ گداگری جس نے ایک پیشہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کو ختم کرنا ایک حقیقی و واقعی اسلامی نظام کی ذمہ داری ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! بعض لوگ بُرے حالات کا شکار ہوتے ہیں مگر وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تو کیا معاشرہ پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ ایسے لوگوں کا خیال رکھیں؟

جواب: یہ آپ نے بہت عمدہ سوال کیا ہے، یہ بہت ضروری بات ہے۔ اس کا جواب ایک جملہ میں تو یہ ہے کہ "یقیناً یہ معاشرہ کا فرض ہے"۔ ویسے میں آپ کی توجہ دلاؤں گا کہ سورۃ البقرہ کے آخر میں یہ مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ آپ کے حسنِ سلوک کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں کہ: لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔ "جو لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ جو لوگوں کے پیچھے پڑ کر نہیں رہ جاتے"۔ بلکہ آپ کو خود انہیں پہچاننا ہوگا وہ خود دستِ سوال دراز نہیں کریں گے۔ چنانچہ جو الفاظِ مبارکہ آپ کو سنائے ہیں اس سے ماقبل فرمایا: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۔ "ان کو تم پہچانو گے ان کی پیشانیوں سے"، ان کے چہروں پر کوئی انداز ایسا ہوگا جس سے معلوم ہو جائے کہ انہیں کوئی احتیاج ہے۔ لیکن وہ نہ زبان سے سوال کریں گے اور نہ اپنا ہاتھ پھیلائیں گے۔ یہ لوگ زیادہ حقدار ہیں۔ ایسے لوگوں کو تلاش کر کے خود انسان ان تک اپنا مالی تعاون پہنچائے۔ یہ ہے اصل میں سب سے اعلیٰ مرتبہ کا انفاق۔

حضرات! آج سورہ مومنون کی ابتدائی آیات اور سورہ معارج کی ہم مضمون آیات کے حوالے سے تعمیرِ سیرتِ انسانی کے جس پروگرام پر ہم غور کر رہے ہیں، اس کے ضمن میں دو اور اوصاف ہمارے سامنے آئے۔ ایک اعراض عن اللغو اور دوسرے تزکیۂ نفس پر کاربند رہنے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اس کی راہ میں مسلسل اپنا مال خرچ کرتے رہنا — ہم اپنے دلوں میں ارادہ کریں اور اللہ سے توفیق طلب کریں کہ وہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی ہمت اور ان پر کاربند رہنے کی سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾

فتح مُبین

فتح خیبر ۔ فتح مکّہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

(ساتویں خطاب کی چوتھی، آخری قسط)

ترتیب و تسوید : جمیل الرحمٰن

فتحِ خَیبَر : یہود کی عسکری قوت کا جزیرہ نمائے عرب سے خاتمہ

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ میں اپنی ایک تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ ہجرت کے نتیجہ میں مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین کام فی الفور انجام دیئے تھے پہلا کام : اقامتِ صلوٰۃ کے لیے مسجد نبوی کی تعمیر ۔ جو محض مسجد ہی نہیں تھی بلکہ اسے اسلامی انقلابی حکومت کے مرکز ایوانِ حکومت نیز تربیت گاہ کا مقام بھی حاصل تھا ۔ دوسرا کام : مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں رشتہ مواخات کا قائم کرنا اور تیسرا کام : یہود کے ان تین قبیلوں سے معاہدے جو مستقل طور پر مدینہ یا اس کے اطراف میں آباد تھے ۔ اور انہوں نے بڑے مضبوط برج اور قلعے بنا رکھے تھے ۔ اہلِ یثرب (مدینہ کا قدیم نام) پر یہود کا علمی رعب بھی بڑا زبردست تھا ۔ چونکہ یہ اہلِ کتاب تھے ۔ ان کے یہاں لکھنے پڑھنے کا بھی رواج تھا ۔ تورات کا عربی ترجمہ بھی ان کے علماء اور احبار و رہبان کے پاس تھا جس کی درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا ۔ پھر یہ کہ کافی مال دار اور صاحب ثروت تھے ۔ تجارت پر ان کی ایک نوع کی اجارہ داری تھی ۔ صناع بھی تھے اور زمیندار بھی ۔ معاشی طور پر انہوں نے سودی قرضوں سے اہلِ یثرب کو جکڑ رکھا تھا ۔ مزید یہ کہ یثرب میں انصار کے جو دو قبیلے تھے اوس و خزرج ۔ ان میں بڑی ناچاقی

رہتی تھی۔ حتیٰ کہ باہم جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ ان کے مابین جو آخری معرکہ ہوا تھا وہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کا زبردست جانی نقصان ہوا تھا۔ اور اس جنگ نے دونوں قبیلوں کو کمزور کر دیا تھا۔ یہود اس مقصد کے پیش نظر کہ یہ دونوں قبیلے کبھی باہم متحد نہ ہو جائیں۔ ان کے درمیان اختلاف و افتراق کو ہوا دیتے رہتے تھے۔

یہود کے تین قبیلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت وہاں یہود کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ حضورؐ نے مدینہ تشریف لاتے ہی انہیں ایک معاہدہ میں جکڑ لیا تھا[۱]۔ اس معاہدے کی وجہ سے یہ قبیلے مسلمانوں کے مقابلہ میں کھلم کھلا نہیں آسکے لیکن پس پردہ ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے۔ فروغ اسلام اور انصار کے دونوں قبیلوں اور مہاجرین کو باہم شیر و شکر دیکھ دیکھ کر صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹنا شروع ہوا۔ پھر شعبان ۲ھ میں تحویل قبلہ کے واقعہ نے ان یہودیوں کو سخت برہم کر دیا اور ان کی ناراضگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور اب وہ کھلم کھلا اسلام پر زبان طعن دراز کرنے اور انصار کو دین اسلام سے بدگمان اور برگشتہ کرنے کی مہم زور و شور سے چلانے لگے۔ اس سے قبل یہ کام وہ دھیمی رفتار سے کرتے رہتے تھے۔

بنو قینقاع کا معاملہ غزوۂ بدر کے متصلاً بعد شوال ۲ھ میں تو فوراً بنو قینقاع کے ساتھ معاملہ ہو گیا۔ یہ زرگر تھے۔ ان کے پاس اسلحہ جنگ

---

[۱] ابن ہشام نے یہ پورا معاہدہ نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی بیرونی فریق سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق ایک دوسرے کے شریک ہو کر جنگ کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہو گا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔ (مرتب)

بہت تھا۔ دوسرے یہودی قبیلوں کے مقابلہ میں یہ جری اور بہادر اور شجاع بھی تھے۔ اسلام کی ترقی کو دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک ضبط نہیں کر سکے۔ غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے حضورؐ کے خلاف اقدام کیا اور جنگ کے اعلان کی جرأت کی۔ ہوا یہ کہ ایک انصاری کی نقاب پوش بیوی ایک یہودی کی دوکان میں جو اس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا آئیں۔ یہودیوں نے ان کی بیحرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہوگیا۔ اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپؐ بنفسِ نفیس ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم بھی عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ"۔ جواب میں یہودیوں نے کہا کہ "ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔ اور ایسا ہی ہے تو ہم اعلان جنگ کرتے ہیں۔ دنیا دیکھ لے گی کہ بہادر کون ہے!" اس طرح ان کی طرف سے نقضِ عہد اور اعلان جنگ ہوگیا۔ مجبور ہو کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان پر چڑھائی کی۔ وہ قلعہ بند ہوگئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر وہ اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو فیصلہ کریں گے انہیں قبول ہوگا۔ حضورؐ نے نرمی اور رأفت سے کام لیا اور فیصلہ فرما دیا کہ وہ اونٹوں پر جتنا سامان لے جاسکتے ہیں لے کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ وہ اب مدینہ میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ مال و اسباب لے کر جلا وطن ہوگئے اور ایک روایت کے مطابق ان میں سے کچھ لوگ خیبر میں جاکر آباد ہوگئے جو مدینہ سے دوسو میل شمال کی طرف یہودیوں کا ایک بہت مضبوط گڑھ تھا۔ یہ بڑا سرسبز اور زرخیز علاقہ بھی تھا۔

بنو نضیر کا معاملہ غزوۂ احد کے بعد اسی نوع کا معاملہ ربیع الاوّل ۴ھ میں بنو نضیر کے ساتھ ہوگیا۔ یہ قبیلہ عرب کے ایک مضبوط قبیلہ "طے" کا حلیف تھا۔ چونکہ اشرف نے جو قبیلہ طے سے تھا اس یہودی قبیلہ کے مقتدا ابورافع کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ ابورافع کا لقب تاجر الحجاز تھا۔ چونکہ وہ بڑا مالدار تھا۔ کعب اسی اشرف کا بیٹا اور ابورافع کا نواسہ تھا۔ اس دوطرفہ رشتہ داری کی وجہ سے اس کا یہود اور عرب سے برابر کا تعلق تھا۔ یہ بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا اثر گہرا تھا۔ کعب کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے سرداروں کے قتل ہونے کا اسے نہایت صدمہ تھا۔ یہ مکّہ گیا اور

مقتولینِ بدر کے پُر درد مرثیے پڑھے جن میں انتقام کی ترغیب تھی۔ وہ یہ مرثیے بڑے سوز کے ساتھ پڑھتا، خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رلاتا۔ الغرض مدینہ پر قریش کو انتقامی طور پر چڑھائی کرنے کی ترغیب میں اس نے نہایت مؤثر کردار ادا کیا تھا۔ پھر جب مدینہ واپس آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو کے اشعار کہنے لگا اور یہودیوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اپنی دولت مندی کے بل پر منافقین کو اپنا ہم خیال بنانے لگا۔ اور ضعیف الایمان لوگوں پر اثر انداز ہونے لگا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے پروگرام بنایا کہ چپکے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے۔ چنانچہ ایک روز آپؐ کو دعوت میں بلایا اور اپنے چند لوگوں کو مقرر کر دیا کہ وہ یک بارگی حملہ کر کے حضورؐ کو شہید کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے نبی صلی اللہ کو مطلع فرما دیا۔ اس کی فتنہ انگیزی کو دیکھ کر حضرت محمدؓ ابن مسلمہ نے اسکو قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے بنو نضیر میں غیض و غضب مزید بھڑکا دیا۔

مزید برآں وادیٔ نخلہ میں قبیلۂ عامر کے جو دو اشخاص قتل ہوئے تھے ان کا خون بہا ابھی تک واجب الادا تھا۔ اس کا ایک حصہ معاہدے کی رُو سے یہود کے قبیلے بنی نضیر پر باقی تھا۔ اس کے مطالبہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے تھوڑی سی ردّ و قدح کے بعد بظاہر مان لیا لیکن در پردہ ایک شخص کو مقرر کر رکھا تھا کہ چپکے سے بالا خانہ سے حضورؐ پر پتھر گرا دے۔ چونکہ حضورؐ بالا خانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضورؐ کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ اور آپؐ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔

ادھر قریش کی جانب سے بنو نضیر کے پاس پیغام پر پیغام آ رہے تھے کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو۔ ورنہ ہمیں جب بھی موقع ملا جو ضرور مل کر رہے گا تو ہم تمہارے پورے قبیلہ کو تہ تیغ کر دیں گے۔ ادھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کا فروغ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت نبی اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ اپنے تیس اصحاب کو ساتھ لے کر آئیں ہم بھی اپنے علماء و احبار کو جمع کر رکھیں گے۔ آپؐ کی دعوت اور آپؐ پر نازل شدہ کلامِ الٰہی سن کر ہمارے علماء تصدیق کر دیں گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ لیکن آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک نیا معاہدہ لکھ کر نہ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا لیکن بنو نضیر اس کیلئے آمادہ نہیں ہوئے۔

اسی دوران آپؐ بنو قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدیدِ معاہدہ کے لئے

فرمائش کی۔ انہوں نے تعمیل کر دی۔ اب بنو نضیر کے سامنے گویا ایک نظیر موجود تھی لیکن اس کے باوجود وہ کسی طرح دوبارہ معاہدہ کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ آخر کار انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں۔ ہم بھی اپنے تین عالم لے کر آتے ہیں۔ کوئی درمیانی جگہ ہم جمع ہوتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ اس کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اثنائے راہ ہی میں آپؐ کو صحیح ذریعہ سے اطلاع مل گئی کہ بنو نضیر نے خفیہ طور پر انتظام کر رکھا ہے کہ آپؐ جب مقررہ مقام پر پہنچیں تو یکبارگی اور اچانک حملہ کر کے آپؐ کو شہید کر دیں۔ چنانچہ یہ اطلاع ملنے کے بعد حضورؐ راستہ ہی سے واپس چلے گئے۔ آپؐ نے پھر ان کو پیغام بھیجا کہ یا تو تجدید معاہدہ کر لو یا اپنے سرکردہ علماء کو لے کر میرے پاس آجاؤ۔ لیکن بنو نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ انکی اس سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ دو مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جہاں اجناس، پانی اور اسلحہ کا وافر ذخیرہ تھا۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ عبداللہ بن ابی نے انہیں کہلا بھیجا تھا کہ ہم (یعنی منافقین) اور بنو قریظہ تمہارا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ لہٰذا تم اطاعت نہ کرنا۔ اس صورت حال کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زیادہ مہلت دینی مناسب نہیں سمجھی اور ان کے قلعوں پر چڑھائی کر دی۔ پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ بنی نضیر اس انتظار میں رہے کہ عبداللہ ابن ابی اور بنو قریظہ اپنے وعدہ کو وفا کریں گے لیکن دونوں فریق دم سادھے تماشہ دیکھتے رہے۔ بالآخر بنو قریظہ نے یہ پیش کش کی کہ ہمارے ساتھ بھی بنو قینقاع والا معاملہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت و رحمت نے یہ پیش کش منظور فرمالی۔ بنو نضیر اپنی گڑھیوں سے اس شان سے نکلے کہ جشن کا گمان ہوتا تھا۔ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ الغرض ان کے قبیلہ کے اکثر لوگ بھی خیبر جاکر آباد ہو گئے۔ ان کے دو معزز رؤسا کا خیبر والوں نے اتنا احترام کیا کہ انہیں خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا۔ یہ واقعہ درحقیقت غزوۂ خیبر کا دیباچہ ہے۔

بنو قریظہ کا معاملہ

اب مدینہ میں یہود کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ باقی رہ گیا تھا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جو ذوقعدہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا اس قبیلہ نے غدّاری کی۔ بنو نضیر کے سرداروں نے خیبر میں بیٹھ کر قریش اور مدینہ کے اطراف کے غیر مسلم قبائل سے سازباز کی اور ان کو اپنے تعاون کا یقین دلایا جس کے نتیجہ میں بارہ ہزار کا لشکر جرار تین سے اطراف سے مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑا۔ اس سے بڑا لشکر عرب کی تاریخ میں اس سے

پہلے شاید ہی کبھی ترتیب پایا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے جبل احد کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں خندق کھدوا کر مدافعانہ جنگ کے انتظامات فرمائے تھے۔ چونکہ مدینہ کی جغرافیائی پوزیشن ایسی تھی کہ صرف ان اطراف سے حملہ ہو سکتا تھا۔ کفار و مشرکین اس طریق دفاع سے ناآشنا تھے۔ ناچار انہیں شدید جاڑے کے موسم میں ایک طویل محاصرہ پر مجبور ہونا پڑا۔ اب ان کے لئے ایک ہی چارۂ کار رہ گیا تھا کہ وہ بنو قریظہ کو مدینہ پر جنوب مشرقی گوشے سے حملہ پر آمادہ کریں۔ بنو نضیر کے سرداروں نے بنو قریظہ کو نقض عہد پر آمادہ کر لیا۔ اور وہ پشت سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اس صورت حال سے بے خبر نہیں تھے۔ پھر منافقین کا گروہ بھی مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے یہ افواہیں پھیلا رہا تھا کہ بنو قریظہ کی طرف سے حملہ ہوا ہی چاہتا ہے جس کی زد میں پہلے ہماری عورتیں اور بچے آئیں گے جو شہر میں انہی بنو قریظہ کی گڑھیوں کے قریب پناہ گزین تھے۔ نبی اکرمؐ نے دو انصارؓ کو بنی قریظہ کے عزائم معلوم کرنے اور ان کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ بنو قریظہ نے ان سے صاف کہدیا کہ لا عقد بیننا و بین محمدؐ۔ یعنی وہ عہد، خلاص ـــــ مزید کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں بڑے گستاخانہ کلمات کہے۔ وہ تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ قبیلہ غطفان کے ایک صاحب نعیم ابن مسعود نے اسلام قبول کر رکھا تھا لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا اور وہ قبیلہ غطفان کی طرف سے ان کے لشکر میں شریک تھے۔ انہوں نے ایک ایسی تدبیر کی کہ بنو قریظہ اور قریش کے درمیان ایک نوع کی بدگمانی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے بنو قریظہ غداری کے لئے اپنی تمام تیاریوں کے باوجود تذبذب میں رہے اور کوئی اقدام نہ کر سکے۔ اسی دوران اللہ کی مدد ایک زوردار آندھی کی صورت میں ایک رات نازل ہوئی اور قریش اور ان کے حلیفوں کے خیموں اور پڑاؤ کو تہس نہس کر ڈالا۔ نتیجۃً صبح ہوتے ہی تمام لشکر منتشر ہو گیا اور تمام قبائل بے نیل و مرام اپنے اپنے مستقروں پر واپس چلے گئے۔

لشکروں کی واپسی کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہتھیار کھول ہی رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السّلام حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ آپؐ ہتھیار اتار رہے ہیں اور ہم نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ لہٰذا آپؐ فوراً تشریف لے جا کر بنو قریظہ کے معاملے کو نمٹائیے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ بنو قریظہ کو کیفر کردار تک

پہنچایا جائے۔ لہٰذا اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ کوئی بھی مسلمان ہتھیار نہ کھولے۔ سب کے سب جلد از جلد بنو قریظہ کی بستی پہنچیں اور کوئی بھی عصر کی نماز وہاں پہنچنے سے قبل نہ پڑھے۔

بنو قریظہ کا انجام | بنو قریظہ کے قلعے بڑے مضبوط تھے۔ قریباً ایک ماہ محاصرہ جاری رہا۔ اس سے تنگ آکر آخر انہوں نے از خود اس شرط پر ہتھیار ڈالنے اور خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ ان کے معاملے میں قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعدؓ ابن معاذؓ کو حَکَم بنایا جائے۔ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے تسلیم کر لیا جائے گا۔ قبیلۂ اوس ان کا حلیف رہا تھا اور اُن کے مابین مدّتوں سے خوشگوار تعلقات چلے آرہے تھے۔ لہٰذا ان کو توقع تھی کہ حضرت سعدؓ ابن معاذ ان کا لحاظ کریں گے۔ حضرت سعدؓ ابن معاذ کو، جو غزوہ احزاب میں ایک تیر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے انؓ کے علاج مُعالجہ کے لئے مسجدِ نبوی میں ایک خیمہ لگوا رکھا تھا اور خود اُنؓ کے زخم کو اپنے دستِ مبارک سے داغا تھا، ایک ڈولی میں بنی قریظہ کی بستی میں لایا گیا۔ حضرت سعدؓ ابنِ معاذ نے عین یہود کی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے لڑنے کے قابل تمام مرد قتل کئے جائیں۔ عورتیں و بچے اور دیگر مردوں کو غلام بنایا جائے اور ان کے مال و اسباب کو مالِ غنیمت قرار دیا جائے[1]۔ چنانچہ اس فیصلے کے مطابق ان کے کئی سو جوان قتل کئے گئے۔ اور عورتوں بچّوں اور دیگر عمر رسیدہ مردوں کو غلام بنا لیا گیا۔ ان کا مال و اسباب مالِ غنیمت قرار دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم نے آسمانی فیصلہ کیا۔" یہ تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو حَکَم تسلیم کر لیتے اور اپنا معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں دیدیتے تو یقیناً آپؐ اپنی رأفت و رحمیّت کی وجہ سے وہی فیصلہ فرماتے جو بنو قینقاع اور بنو نضیر کے حق میں

---

[1] تورات کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰، آیت ۱۰ میں ہے۔

"جب کسی شہر پر حملہ کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں، سب کو قتل کر دے۔ باقی بچّے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔" (مرتّب)

فرمایا تھا۔ لیکن مشیّت الٰہی یہی تھی۔ لہٰذا ان کی مت ماری گئی۔ اور انہوں نے حضورؐ جیسے رؤف و رحیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر عدم اعتماد کیا۔ چنانچہ حیی ابن اخطب کے جو ان تمام فتن کا باعث تھا جو آخری الفاظ کتب سیرت مطہرہ میں ملتے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے کہ "لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ایک حکم الٰہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھ دی تھی۔" حیات طیبہ کے دوران اجتماعی قتل اور سخت ترین سزا کا یہی ایک واقعہ ہوا ہے جو بنو قریظہ کے ساتھ ہوا۔

فتحِ خیبر

خیبر پہلے ہی عرب میں یہود کا مضبوط ترین گڑھ تھا۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بہت سے لوگ وہیں مقیم ہوئے۔ اس طرح ان کی قوت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ غزوہ احزاب کے موقع پر قریش اور دوسرے عرب قبائل کا اتنی بڑی تعداد میں مدینہ پر چڑھا لانے میں خیبر کے یہودی سرداروں کا سب سے زیادہ عمل دخل تھا۔ بارہ ہزار کے لشکر میں کم و بیش دو ہزار یہودی بھی شامل تھے۔ پھر بنو قریظہ کو نقض عہد اور پشت سے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے لئے آمادہ کرنے میں بھی انہی یہودی سرداروں کی کوششوں کا ہاتھ تھا۔ الغرض عرب کے قبائل خصوصاً قریش کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں خیبر ہی کے سرداران یہود پیش پیش رہتے تھے۔

جب ذوقعدہ ۶ھ میں قریش سے حدیبیہ کے مقام پر دس سال کے لئے صلح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو ۶ھ کے اواخر میں جزیرہ نمائے عرب میں آپؐ نے یہود کی اس طاقت کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ فرمایا جو خیبر کے مقام پر مجتمع ہو گئی تھی۔ قبیلہ غطفان جس کا شمار بھی عرب کے مضبوط قبائل میں ہوتا تھا۔ ان کی آبادی خیبر سے متصل واقع تھی اور یہ کافی عرصہ سے خیبر کے یہود کے حلیف تھے۔ خیبر کے رئیس ابورافع سلام نے جو بنو نضیر سے تعلق رکھتا تھا لیکن بہت بڑا تاجر اور صاحب ثروت ہونے کے باعث خیبر کی سرداری پر فائز تھا، ۶ھ میں خود جا جا کر قبیلہ غطفان اور آس پاس کے قبائل کو متحد ہو کر اسلام کے خلاف اقدام کے لیے تیار کر لیا تھا اور ایک عظیم لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر لی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ تمام خبریں مل رہی تھیں۔ رمضان ۶ھ میں ابورافع سلام ایک خزرجی انصاری کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد اُسیر نامی خیبر کا ایک یہودی خیبر کی مسند سرداری پر فائز ہوا۔ اس نے بھی ابورافع سلام کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے پوری تیاری کر لی۔ پھر مدینہ کے منافقین بھی یہودِ خیبر کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تمہاری فوجوں کے آگے ٹھہر نہیں سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش فرمائی کہ کوئی معاہدہ ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور بعد میں بھی کئی سفارتیں خیبر کے یہود کے پاس بھیجیں لیکن وہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آئے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار دستے آتے اور مدینہ کے باہر متفرق چھوٹی چھوٹی آبادیوں پر تاخت کرتے اور غارت گری کے بعد بھاگ جاتے۔ بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے مقصد کے پیش نظر ذی الحجہ ۶ھ میں مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔ لیکن خیبر کا معرکہ ۷ھ کے اوائل میں پیش آیا۔ اس غزوہ نے کافی طول کھینچا۔ یہود کی بڑی قوت تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ ہر قلعہ پر زبردست جنگ ہوئی۔ آخری مضبوط ترین قلعہ (قموص) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہود کے بڑے بڑے سرداران معرکوں میں مارے جا چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کامل شکست تسلیم کرلی۔ اس طرح جزیرہ نمائے عرب سے یہود کی عسکری قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود کی درخواست پر زمین ان کے قبضہ میں اس شرط کے ساتھ رہنے دی گئی کہ وہ پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس صحابیؓ کو بھیجتے تھے وہ آکر غلّہ کو دو برابر حصّوں میں تقسیم کرکے یہود سے کہا کرتے تھے کہ انتخاب کا حق تمہیں حاصل ہے جو حصّہ چاہو تم لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیّر ہو کر کہتے تھے کہ "زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں"۔ غزوۂ خیبر وہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے۔ گویا صلح حدیبیہ اور یہود کا رعیت کی حیثیت قبول کرنا اس بات کی علامات میں شامل ہیں کہ اسلامی طرزِ حکومت کی بنیاد بھی قائم ہو گئی اور اس کا عملی ظہور بھی شروع ہو گیا۔

—— حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں وصیت فرما گئے تھے کہ یہود جزیرہ نمائے عرب میں رہنے نہ پائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کذابانِ نبوّت اور مانعین زکوٰۃ اور فتنۂ ارتداد سے کامل طور پر نمٹنے میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اس معاملہ کی طرف توجّہ دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اگرچہ خلافت صدیقی کے دور ہی میں یہ تمام فتن ختم ہو چکے تھے۔ لیکن ساتھ ہی توحید کی اس انقلابی دعوت کی توسیع کے عمل کا بیرون ملک عرب آغاز ہو چکا تھا۔ قیصر و کسریٰ سے باقاعدہ لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ یہود کے

جزیرہ نمائے عرب سے مکمل اخراج کا معاملہ دورِ خلافتِ صدیقی کے بجائے دورِ خلافت فاروقی کے آغاز میں شروع ہوا اور قلیل عرصہ میں تمام یہود جزیرہ نمائے عرب سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ ان کو کامل آزادی دی گئی کہ وہ اپنا جملہ منقولہ ساز و سامان ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوئی۔ اس طرح جزیرہ نمائے عرب یہود جیسی سازشی قوم سے خالی ہو گیا۔

اب آئیے پھر قریش کے معاملہ کی طرف۔ میں نے عرض کیا تھا کہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید تھی۔ اس صلح کی بدولت قریباً دو سال تک قریش اور اہلِ ایمان کے مابین امن رہا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے شہروں میں آتے جاتے رہے۔ روابط قائم ہوئے اور کفّار و مشرکینِ قریش اہلِ ایمان کی پاکیزہ سیرت و کردار سے متاثر ہوتے رہے۔ اس دوران اسلام کو نہایت فروغ حاصل ہوا۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہی حضرت خالد ابن ولید اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما جیسے شجاع ایمان لائے جیسا کہ میں اس سے قبل آپ کو بتا چکا ہوں۔

بنوخزاعہ پر بنوبکر کی تاخت میں یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس صلح کے موقع پر ہی بنوخزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے تھے اور ان کے حریف بنوبکر قریش کے حلیف ہو گئے تھے۔ ان دونوں میں مدّت سے عداوت چلی آرہی تھی اور ان کے مابین لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجّہ کیا تو وہ لڑائیاں رک گئیں۔ صلح حدیبیہ کے باعث قریش اور مسلمانوں کے درمیان امن قائم ہو گیا تو بنوبکر نے یہ سوچا کہ بنوخزاعہ سے اب انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے صلح کے قریباً دو سال بعد دفعتہً بنوخزاعہ پر حملہ کیا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ قریش کے چند بڑے بڑے سرداروں نے بھی صورتیں اور بھیس بدل کر بنوبکر کا ساتھ دیا اور اس طرح اس حملے کے نتیجہ میں بنوخزاعہ کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ بنوخزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن بنوبکر کے رئیس کے اکسانے پر وہاں بھی انہیں نہیں چھوڑا اور عین حدودِ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

بنوخزاعہ کی دربارِ نبوی میں فریاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں رونق افروز تھے کہ خزاعہ کے چالیس افراد فریاد کرتے اور دہائی دیتے ہوئے وہاں پہنچے کہ ہمارے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے۔ اب صلح حدیبیہ کی رو سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کے پابند ہیں کہ ہمارا بدلہ بنوبکر اور قریش سے لیں[1]۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

کو یہ واقعات سن کر سخت رنج ہوا ۔ تاہم حضورؐ نے قریش پر حجت قائم کرنے کے لئے ان کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں ۔ پہلی یہ کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کردو ۔ دوسری یہ کہ اگر تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ تاکہ ہم بنو خزاعہ کے ساتھ مل کر بنو بکر سے بدلہ لے لیں ۔ تیسری یہ کہ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو اعلان کر دو کہ صلح حدیبیہ ختم ہوگئی ۔

قریش کا ردعمل قریش کے جو مشتعل اور جنگ پسند لوگ (Hawks) تھے ، انہوں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد کی زبانی آپؐ کی شرائط سنتے ہی فوراً کہا کہ ہمیں تو صرف تیسری شرط منظور ہے ۔ بس آج سے صلح حدیبیہ ختم ۔ " حضورؐ کے ایلچی تو یہ جواب سن کر مدینہ واپس چلے گئے ۔ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد ان کے جو مدبّر اور صلح پسند لوگ (Doves) تھے ، ان کو خوب اندازہ تھا کہ اب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طاقت کتنی ہے ! اور قریش کا حال کیا ہے ! ان کی پختہ رائے یہ تھی کہ قریش کسی صورت میں بھی اب اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقابلہ کر سکیں ۔ اس وقت ابو سفیان کو قریش کے سردار کی حیثیت حاصل تھی ___ اور میں اپنی ان تقاریر میں شروع ہی سے حسبِ موقع آپ حضرات کو یہ بات نوٹ کراتا رہا ہوں کہ وہ بہت حقیقت پسند انسان تھے ۔ جذباتی نہیں تھے ، مشتعل مزاج نہیں تھے بلکہ ایک ایسے مدبّر انسان تھے کہ جو حقیقی صورتِ حال سامنے ہو اس کے مالہٗ و ماعلیہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ۔ انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ چند جوشیلے لوگوں سے جذبات میں آکر بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے ۔ اگر ہم نے صلح حدیبیہ کی تجدید نہ کرائی تو پھر قریش کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی ۔ چنانچہ وہ خود چل کر صلح کی تجدید کرانے کی غرض سے مدینہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر ،

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ طبقات ابنِ سعد میں مذکور ہے کہ اس وفد کے قائد کا نام عمرو بن سالم تھا اور اس نے ان الفاظ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں فریاد پیش کی تھی ۔

لاھم انی شاھد محمدًا	اے اللہ ! میں محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو
حلف ابینا وابیہ الا تلدًا	وہ وعدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور
فانصر رسول اللہ نصرًا اعتدًا	ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے ۔ اے
وادع عباد اللہ یاتوا مددًا	اللہ کے رسولؐ ہماری اعانت کیجئے اور اللہ

کے بندوں کو پکاریئے ۔ سب مدد کے لئے حاضر ہوں گے ۔ (مرتّب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں تجدید صلح کی درخواست کی لیکن بارگاہ رسالت سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اب ان کو کوئی ایسی سفارش درکار تھی جو تجدید کی کوشش میں ان کی معاون ہو۔ انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن دونوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ پھر وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی، انہوں نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اگر یہ بچہ اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ اور اس بچہ کے یہ کہہ دینے سے نہ معلوم کتنی جانیں بچ جائیں گی۔ جناب سیّدہؓ نے فرمایا "بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل"۔ اب یہ واقعہ نوٹ کیجیے جو بہت عجیب واقعہ ہے — کہ بالآخر ابوسفیان ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے۔ حضرت ام حبیبہؓ سابقون الاوّلون میں سے تھیں اور مہاجرین حبشہ میں سے تھیں۔ جہاں وہؓ اپنے شوہر کے ساتھ گئی تھیں۔ وہ بھی ایمان لا چکے تھے۔ وہ شراب کے نہایت رسیا تھے۔ بہرحال حبشہ جا کر مرتد ہو گئے اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ لہٰذا ام حبیبہؓ ان کے عقد نکاح سے آزاد ہو گئیں۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور نجاشیؒ نے حضور کے وکیل کی حیثیت سے نکاح پڑھایا تھا۔ بعدہٗ وہ ام المؤمنینؓ کی حیثیت سے مدینہ منوّرہ تشریف لے آئی تھیں۔ اب ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت امّ سلمہؓ کے حرم میں تھیں — باپ بیٹی کے پاس پہنچتا ہے تاکہ بیٹی سے سفارش کرائے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب وہ اُنؓ کے حجرے میں داخل ہوئے تو وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا وہ اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت امّ حبیبہؓ نے فرمایا۔ "اباجان ذرا ٹھہریئے" پھر بستر تہہ کرکے کہا کہ اب تشریف رکھئے۔ اب یہ قریش کا سردار ابوسفیان، نہایت مدبر انسان! — انہوں نے فوراً سوال کیا کہ بیٹی! یہ بستر میرے لائق نہ تھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں۔ بیٹی کہتی ہیں۔ اباجان آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں۔ یہ بستر محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے اور آپ مشرک ہیں، نجس ہیں، آپ اس پر نہیں بیٹھ سکتے — میں کہا کرتا ہوں کہ ابوسفیان اس بات سے جتنے خفیف اور خجل ہوئے ہوں گے اور انہوں نے کتنی سبکی محسوس کی ہوگی! اس کا ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ اب انہیں سفارش کا کہاں حوصلہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مزید کچھ کہے بغیر مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے انہوںؓ نے کہا کہ میں نبی اکرمؐ سے تو کچھ عرض کرنے کی جرأت

نہیں کرسکتا لیکن میں تمہیں یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ مسجدِ نبویؐ میں جا کر یہ اعلان کر دو کہ میں نے قریش کے سردار کی حیثیت سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ چنانچہ ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایماء پر ایسا ہی کیا اور مسجدِ نبویؐ جا کر تجدیدِ صلح کا یک طرفہ اعلان کر دیا کہ میں قریش کا سردار ابوسفیان صلح حدیبیہ کی تجدید کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا لیکن یہ اعلان کر کے وہ فوراً مکّہ واپس روانہ ہو گئے ـــــ مکّہ پہنچے۔ لوگوں نے پوچھا کیا کر کے آئے ہو! انہوں نے تفصیل بتائی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نہ اسے تجدیدِ صلح سمجھ سکتے ہیں کہ آرام سے سوئیں۔ نہ جنگ سمجھ سکتے ہیں کہ تیاری کریں۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔

نبی اکرمؐ کی طرف سے تیاریاں اور ایک بدری صحابیؓ کی غلطی!!!

ادھر مکّہ والے شش و پنج میں تھے کہ ابوسفیان جو کچھ کر کے آئے ہیں، اسے کیا سمجھا جائے۔!! ادھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منوّرہ میں تیاریاں کرنے کا حکم دے دیا اور اپنے حلیف قبائل کے پاس قاصد بھیج دیئے کہ تیار ہو کر مدینہ آ جائیں۔ لیکن یہ احتیاط کی گئی کہ یہ اعلان نہیں فرمایا کہ مکّہ کا قصد ہے۔ آپؐ نے یہ بات بالکل مخفی رکھی کہ کدھر جانا ہے! لیکن ایک معزّز صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضؓ سے اس وقت ایک خطا ہو گئی ــ ان کے اہل و عیال اس وقت تک مکّہ میں تھے۔ انہوںؓ نے اندازہ کر لیا کہ حضورؐ کا ارادہ مبارک مکّہ پر چڑھائی کا ہے۔ انہیںؓ خوف لاحق ہوا کہ اب مکّہ میں جو خون ریزی ہو گی تو وہاں میرے اہل و عیال کو بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ جانے ان کا کیا حال ہو گا۔ چونکہ قریش سب سے پہلے تو مکّہ میں جو مسلمان ہیں یا ہجرت کرنے والوں کے جو اہل و عیال ہیں ان ہی کو ختم کریں گے۔ ان اندیشوں کے پیشِ نظر انہوں نے مخفی طور پر قریش پر احسان دھرنے کے لئے ایک خط لکھا، جس میں یہ خبر تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اور حضورؐ جلد ہی مکّہ کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ خط ایک عورت کے حوالے کیا کہ وہ خفیہ طور پر مکّہ جا کر یہ خط سردارانِ قریش کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو وحی کے ذریعے یہ خبر دے دی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ دو صحابہؓ کو بھیجا کہ جاؤ ایک عورت فلاں مقام پر ہے، اس کے پاس ایک رقعہ ہے اسے لے کر آ جاؤ۔ یہ حضراتؓ وہاں پہنچے۔ وہ عورت سمجھ گئی اور اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، ممکن نہیں ہے کہ تمہارے پاس کوئی خط نہ ہو اگر تم نہیں دو گی تو میں تمہیں برہنہ کرکے تلاشی لوں گا۔ یہ دھمکی سن کر اس نے بالوں کی چٹیا سے خط نکال کر پیش کر دیا۔ یہ خط اور اس عورت کو لے کر حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خط سن کر تمام صحابہؓ کو حضرت حاطبؓ کی جانب سے افشائے راز پر حیرت بھی ہوئی، رنج بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال میں آکر بیتاب ہو گئے۔ اور انہوںؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپؐ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاطبؓ کی گردن اڑا دوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمرؓ! جانتے نہیں ہو کہ یہ بدری ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل بدر کو مخاطب کرکے فرما چکا ہے کہ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ان کی خطائیں معاف کر چکا۔ غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن اس پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ حضرت حاطبؓ نے بھی عرض کیا کہ حضورؐ! مجھ سے اس اندیشہ کے سبب سے یہ خطا ہو گئی ہے، جس پر میں نادم بھی ہوں اور توبہ بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ انؓ کو معاف کر دیا گیا۔

مکہ کی طرف کوچ

بہرحال اب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں تو دس ہزار قدسیوں کا لشکر حضورؐ کے ہمرکاب تھا۔ یہ رمضان ۸ھ ہے۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ واقعۂ ہجرت کو دس برس اور مسلح تصادم (Armed Conflict) کے مرحلے کو شروع ہوئے صرف چھ سال بیتے ہیں۔ یوں تو سیرت مطہرہ میں بہت سے غزوات اور سرایا کا ذکر ملتا ہے لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان تمام جنگوں میں جانی نقصان چند سو سے زیادہ نہیں ہوا۔ کفار کی طرف سے جو لوگ قتل ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے جو شہید ہوئے ان کی مجموعی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اگرچہ کئی بار خوں ریزی ہوئی۔ لیکن اگر اموات کی گنتی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک غیر خونی (CASUALITIES) BLOODLESS انقلاب تھا۔ سب سے زیادہ خون ریزی اگر ہو سکتی تو فتح مکہ کے وقت ہوتی۔ اس لئے کہ جو خون کے پیاسے تھے، جو جانی دشمن تھے، وہ سب کے سب مکہ میں موجود تھے۔ ان میں وہ شخص بھی تھا جس کے دھوکہ سے پھینکے ہوئے برچھے سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تھے یعنی وحشی۔ ان میں وہ خاتون بھی تھیں یعنی ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان کہ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کا مثلہ بھی کرایا تھا اور پھر یہ کہ سید الشہداء کا کلیجہ چبانے کی کوشش بھی کی تھی۔ تو اس وقت مکہ والوں کو یہ اندیشے لاحق تھے کہ اب کیا ہوگا!

ن پر شدید خوف اور اضطراب طاری تھا ۔

ابوسفیان ایمان لاتے ہیں

دس ہزار قدسیوں اور جان نثاروں کے جلو میں جب کوکب نبوی نہایت عظمت و شان کے ساتھ مکّہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا تو تحقیق کے لئے قریش کی طرف سے ابوسفیان، حکیم ابن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) اور بدیل ابن ورقہ چھپ چھپا کر اہل ایمان کے لشکر تک پہنچے ۔ ابوسفیان کو مسلمانوں نے پہچان لیا اور گرفتار کر کے دربارِ رسالت میں پیش کئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیمہ میں آکر عرض کیا کہ اس عدو اللہ و عدو رسولہ کو قتل کا حکم دیجئے تاکہ کفر کے بالکلیہ استیصال کا آغاز ہو جائے ۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان بخشی کی درخواست کی ـــ ابوسفیان کے پچھلے تمام کارنامے، ان کی اسلام دشمنی سب کے سامنے تھی ۔ ان کا ایک ایک فعل ان کے قتل کا دعویدار اور مستوجب تھا ۔ لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز تھی اور وہ تھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رافت ، رحمت اور عفو کا جوہر جو ابوسفیان کو دل ہی دل میں اطمینان دلا رہا تھا کہ خوف کا مقام نہیں ہے ۔ نبی اکرمؐ کے اخلاق حسنہ سے دل پہلے سے گھائل تھا ۔ حق کا بول بالا اور اسلام کی فتح و سربلندی نگاہوں کے سامنے تھی ۔ حضرت عباسؓ جگری دوست تھے، ان کی ترغیب اور ان تمام چیزوں نے اس آہنی چٹان کو گھلا دیا ۔ اور وہ بالآخر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور مومن صادق ثابت ہوئے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ غزوۂ طائف میں انؓ کی ایک آنکھ زخمی ہوئی جو عہد خلافتِ راشدہ میں جنگِ یرموک (شام) کے موقع پہ بالکل جاتی رہی ۔

ابوسفیان کا اعزاز واکرام

علی الصبح جب لشکر اسلام مکّہ کی طرف بڑھا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان رضؓ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ وہ افواج الٰہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھیں ۔ نیز مکّہ میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا جائے کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا یا حرم کعبہ میں داخل ہوگا تو اس کو امن دیا جائے گا ۔

اہل ایمان کی فوجیں الگ الگ پرچموں کے تلے نعرۂ ہائے تکبیر بلند کرتی ہوئی مکّہ کی طرف بڑھ

لہ یہ بھی فتح مکّہ کے موقع پہ ایمان لے آئے تھے (مرتب)

رہی تھیں اور حضرت ابوسفیانؓ ان کو دیکھ کر متحیر ہو رہے تھے۔ سب سے آخر میں انصار کے قبیلہ خزرج کا لشکر حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں گزرا جنؓ کے ہاتھ میں علم تھا۔ توانہوںؓ نے جب حضرت ابوسفیان کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبہ — آج خون بہانے کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائیگا

یوم المرحمہ مختلف لشکروں کے پیچھے کوکب نبوی نمودار ہوا حضرت زبیرؓ ابن العوام علمبردار تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ کی نظر جب جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے۔ کہ حضورؐ! آپؐ نے سنا کہ عبادہؓ یہ کہتے ہوئے گزرے ہیں کہ الیوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہیں عبادہؓ نے صحیح نہیں کہا بلکہ آج کا دن تو

الیوم یوم المرحمہ والیوم عظمۃ الکعبۃ

"آج کا دن رحمت کا دن ہے اور آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے"

ملحم بنا ہے لحم سے۔ لحم جانوروں کے ذبحہ خانہ اور اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ذبیحہ کے پارچے یا قیمہ بنایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وزن پہ رحم اور رحمت کے لفظ سے اس دن کو یوم المرحمہ قرار دیا۔ یعنی رحم، رحمت اور شفقت کا دن ___ ساتھ ہی حضورؐ نے حکم دیا کہ حضرت عبادہؓ سے عَلَم لے کر انؓ کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

ایک معمولی جھڑپ ان قدوسیوں کے تمام لشکر پُرامن طور پر مکہ میں داخل ہو گئے۔ یہ تمام لشکر مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے تھے۔ جب کہ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں جو لشکر تھا وہ مکہ معظمہ کے زیریں حصہ سے مکہ میں داخل ہونے کے لئے آیا تھا۔ قریش کے ایک گروہ نے حضرت خالدؓ کے لشکر پر تیر برسائے۔ چنانچہ تین صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر اس گروہ پہ حملہ کیا اور یہ لوگ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تلواروں کی چمک دیکھی اور جھنکار سنی تو تحقیق حال فرمائی لیکن جب معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین کی جانب سے ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"۔

فتح مُبین کا اتمام اللہ کی شان دیکھئے کہ جس مکہ میں آٹھ سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ ہو گیا تھا اور جہاں سے نبی اکرمؐ نے راتوں رات چھپ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی پھر غارِ ثور میں تین دن پناہ لینی پڑی تھی جس کے دہانے تک کھوجی کفارِ مکہ کو لے آئے تھے اور جہاں سے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ

طور پر حضورؐ کو بچایا تھا جب حضورؐ نے حضرتِ ابوبکرؓ کا اضطراب دیکھ کر انؓ سے وہ جملہ فرمایا تھا جو توکل علی اللہ کا شاہکار ہے کہ :

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ؕ

اسی مکہ میں آٹھ سال بعد رمضان المبارک ۸ھ میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ فاتح داخل ہو رہے ہیں۔ عجز و انکساری کا یہ عالم ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ کی پیشانی مبارک گھوڑے کے ایال کو مس کر رہی تھی۔ زبانِ مبارک پر ترانۂ حمد جاری تھا۔ دنیا نے نہ اس سے قبل ایسا کوئی فاتح دیکھا تھا اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گی۔

بُت شکنی وہ حرم محترم جو خلیل اللہ علیہ السلام جیسے بُت شکن نے اللہ واحد کی پرستش کے لیے تعمیر فرمایا تھا اس کے آغوش میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے لیکن اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے لئے موقع تھا کہ اپنے جدِ امجد کی سنت کی تجدید فرمائیں۔ چنانچہ حضورؐ ایک ایک بت کو چھڑی سے ٹھوکے دے کر گراتے اور زبانِ مبارک سے پڑھتے جاتے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ مٹنے ہی کی چیز تھی" [1]

(بنی اسرائیل: ۸۱)

عین خانہ کعبہ کے اندر بہت سے بُت رکھے تھے اور اندر دیواروں پر تصویریں بھی تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب بت نکلوائے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر جتنی تصویریں تھیں مٹا دیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام بت اٹھا اٹھا کر باہر پھینک دیئے۔ چند دنوں بعد ان بتوں کو بھی پاش پاش کرا دیا گیا جن کے استھان اطراف مکہ میں مختلف مقامات پر قائم تھے۔ اس طرح اسلام کی انقلابی دعوت توحید کی تکمیل ہو گئی۔ شرک اور بت پرستی کا طلسم ختم ہوا اور شرک کی بنیاد پر جو استحصالی نظام قائم تھا اس کا استیصال ہو گیا۔

مکہ میں داخلہ کے دوسرے دن مکہ و مدینہ کے بے تاج بادشاہ، سرورِ عالمؐ

---

[1] صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: جاء الحق و زھق الباطل وما یبدی الباطل وما یعید۔ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور اب پھر نہیں آئے گا" (مرتب)

رحمۃ للعالمین نے کھڑے ہوکر دربارِ عام میں گویا خلافتِ الٰہی کے منصب پہ فائز ہونے کے بعد جو پہلا خطاب فرمایا ہے اس کے مخاطب صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ سارا عالم تھا ارشاد ہوتا ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ صدق وعـدهٗ وَنَصَرَ عبـدهٗ وهزم الاحزاب وحـدهٗ اَلَا كُل ماثرة اودم اومال يـدعى فهو تحت قـدمى هاتين الا سـدنة البيت وسقاية الحجاج......

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں (اب) تمام مفاخرہ، تمام انتقامات، خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں"

يامَعْشَرَ قريش ان الله قـد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظيمهما بالاباء الناس من ادم وادم من تراب

"اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں"

اس کے بعد سورہ الحجرات کی یہ آیت پڑھی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

"اے لوگو! میں نے تم سب کو (ایک) مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ آپس سے ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ تحقیق اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ (اللہ کا) تقویٰ رکھتا ہو۔ اس کے فرامین کی خلاف ورزی سے سب سے زیادہ بچتا ہو۔ بے شک اللہ دانا اور واقف کار ہے۔"

خطبۂ مبارکہ کے بنیادی مطالب و مفاہیم

آپ نے دیکھا کہ اس مختصر سے خطبہ میں اسلامی انقلابی دعوت و پیغام کے چند اہم اصول بیان ہوگئے۔ دین اسلام کا اصل الاصول توحید ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاکم نہیں، کوئی مقنن نہیں، کوئی دستگیر نہیں، کوئی خالق و مالک نہیں ـــــ لفظ اللہ میں یہ تمام مفاہیم موجود ہیں۔ ساتھ ہی شرک جیسے گناہ کی تردید بھی آگئی۔ لیظہرہ علی الدین کلہ کا بیان بھی آگیا۔ پرانی عداوتوں اور انتقام کی پرزور مذمت بھی آگئی۔ مفاخر قومی و نسبی کی بیخ کنی بھی ہوگئی۔ اور آپؐ نے ان تمام جاہلیت کی جہالتوں کے متعلق فرمادیا کہ "میں نے ان تمام چیزوں کو پاؤں سے کچل دیا۔"

عرب ہی میں نہیں تمام دنیا میں نسل، قوم اور خاندان کی تمیز کی بنا پر فرق و تفاوت اور امتیازات و مراتب قائم تھے۔ جیسے ہندو دھرم میں چار مستقل ذاتیں تاحال قائم ہیں۔ ان میں سے کوئی ذات کسی دوسری ذات میں ضم نہیں ہوسکتی۔ یہ مستقل اور دائمی ہیں ان میں شودر کو اچھوت کا درجہ دیا گیا ہے جو غلیظ و ناپاک جانوروں سے بھی کم تر ہے ـــــ پوری دنیا پر اسلام کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے کامل انسانی مساوات کے اصول سے دنیا کو روشناس کرایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلافت راشدہ نے اس اصول پر اسلامی حکومت کو عملاً چلا کر دنیا کے سامنے حجت پیش کر دی کہ نسل، رنگ، زبان، وطن، پیشے اور جنس کی بنیاد پر کوئی نہ اونچا ہے نہ نیچا ہے۔ سب برابر ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم اور عفو

خطبہ کے بعد فاتح مکّہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجمع کی طرف دیکھا۔ جبّاران قریش سامنے تھے۔ فرمایا کہ تمہارا کیا گمان ہے کہ میںؐ آج تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں! یہ لوگ اگرچہ شقی تھے، بے رحم تھے، ظالم تھے، لیکن مزاج شناس بھی تھے۔ لہٰذا بے اختیار پکار اٹھے۔

اَخٌ کَرِیمٌ وَابنُ اَخٍ کَرِیمٍ "آپؐ شریف اور بامروّت بھائی ہیں اور آپؐ ایک شریف اور بامروّت انسان کے بیٹے ہیں"

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں آج تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہا تھا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط "آج تم پہ کوئی الزام نہیں ہے"

اور اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءَ "جاؤ تم سب آزاد ہو"

ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام کی توحید کی انقلابی دعوت کے دلی دشمن اور اس کے مٹانے کے درپے تھے۔ وہ بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ طنز وتعریض کیا کرتے اور حضورؐ پہ تضحیک وتمسخر اور استہزا کے تیر برسایا کرتے تھے حتیٰ کہ دشنام طرازی تک کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے، جن کی تیغ وسنان نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں اور اہل ایمان کو شہید کیا تھا، وہ بھی تھے جو پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ وہ بھی تھے جو تلاوت آیات الٰہی اور وعظ ودعوت کے موقع پہ شور وغل اور مذاق وٹھٹھا کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو دہکتی آگ اور جلتی ریت پہ لٹا کر ان کی پیٹھوں اور سینوں پہ آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینۃ النبیؐ کے چھوٹے سے شہر کی دیواروں سے آ آکر ٹکراتا تھا ____ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم اور وصف رأفت ورحمت اور عفو کا یہ کرشمہ ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. آج کے دن تم پہ نہ کوئی الزام ہے اور نہ ہی کوئی ملامت ہے۔ میں آج تمہیں زبانی بھی کوئی دکھ پہنچانا نہیں چاہتا کہ پچھلی کوئی بات یاد دلاؤں اور تمہیں شرمندہ وشرمسار کروں ____ کون نہیں جانتا کہ بسا اوقات جسمانی ایذاء سے کہیں زیادہ تکلیف دہ زبانی ایذاء ہوجاتی ہے وہ زبانی ایذاء جس کا ذکر میں اپنی ابتدائی تقریر میں کرچکا ہوں کہ اجرائے وحی کے ابتدائی تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدف بنے رہے تھے۔ جس پہ قرآن مجید میں نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کے لیے آیات نازل ہوا کرتی تھیں، جن میں سے اکثر میں آپ حضرات کو سنا چکا ہوں ____ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہے کوئی جسمانی ایذاء نہ پہنچاتے لیکن حضورؐ اس موقع پہ چند جملے ایسے ارشاد فرما سکتے تھے جو قریش کی ذہنی ایذاء کا سبب بن سکتے تھے۔ لیکن رؤف ورحیم اور کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت ومروّت نے یہ بھی گوارا نہیں کیا اور قریش کے اس سہمے اور خوف زدہ مجمع سے فرمایا تو یہ فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ

اشتہاری مجرم

سیرت کی کتابوں میں بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے گو اہل مکہ کو امن عطا فرما دیا تھا لیکن چند لوگ وہ تھے جن کے متعلق حکم یہ تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ مختلف روایات میں ان کی مختلف تعداد آتی ہے البتہ عام اور کثیر روایات میں دس لوگوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے چھ خلوصِ دل سے ایمان لے آئے اور انہیں معافی مل گئی ان ایمان لانے والوں افراد میں وحشی رضی بھی تھے جو اسداللہ واسد رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تھے۔ بعد میں ان ہی کے ہاتھوں مسیلمہ کذاب واصل جہنم ہوا جو کذابانِ نبوت کا سرخیل تھا۔ صرف چار شخص قتل ہوئے تین مرد اور ایک عورت۔ مردوں میں وہ لوگ تھے جن میں ایک خونی اور مرتد تھا اور دو خونی مجرم تھے۔ ایک نے بلکہ منافقانہ طور پر ایمان لا کر جنگ میں کہیں چھپ کر ایک انصاری کو قتل کیا تھا۔ ایک وہ تھا جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ شرارت کی تھی جب وہ ہجرت کر رہی تھیں۔ ان کو اونٹوں سے گرا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حمل کا اسقاط ہو گیا تھا ــــــ ایک لونڈی تھی جو فاحشہ بھی تھی اور مغنیہ بھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجو میں نہایت شرمناک گیت گایا کرتی تھی۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کا کامل ظہور ــــــ !!

بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا فتح مکہ کی صورت میں اندرونِ ملکِ عرب انقلاب محمدی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہو گئی۔ اور سورۂ صف میں جو میرے غور و فکر اور مطالعہ کی رو سے غزوہ احزاب اور سورۃ الاحزاب سے متصلاً بعد نازل ہوئی ان الفاظ مبارکہ میں جو بشارت دی گئی تھی کہ:

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

بشارت پوری ہو گئی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان پختہ رکھنے والوں اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں اور اللہ کی راہ میں صفیں باندھ کر اس طرح قتال کرنے والوں کو جیسے وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں، آخرت میں لغزشوں اور خطاؤں کی مغفرت، دخولِ جنت اور جنّاتِ عدن کے پاکیزہ

گھروں میں خلود وسکونت کے وعدوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اصل کامیابی ہے۔ بایں الفاظ مبارکہ: ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ط ــــ اس دنیا میں بھی نصرت الٰہی اور فتح قریب کی نوید جاں فزا سنائی گئی تھی جو فطری اعتبار سے انسان کو بڑی محبوب ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کی صورت میں اس بشارت کا ظہور ہوگیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نگاہوں کے سامنے مشہود ہے۔ گویا اس طرح اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا اکمال واتمام ہوگیا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب محمدی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہوگئی۔

ان شاء اللہ آئندہ جمعہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بین الاقوامی مرحلے کے متعلق گفتگو ہوگی۔ (جاری ہے)

تحریک پاکستان اور نظام بیعت

چوہدری عبدالحمید

انگریزی استعمار کی دو سو سالہ غلامی نے برصغیر کے مسلمانوں کو جن اعلیٰ علمی دینی اور ملی روایات سے بے گانہ کیا ان میں جماعت سازی کا مسنون و ماثور طریقہ یعنی "نظام بیعت" بھی ایک اہم ترین روایت ہے۔ لیکن حیرت اور شکر کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اور پھر علی گڑھ میں تقسیم ملک سے قبل خیری برادران اور پروفیسر ڈاکٹر سید ظفر الحسن مرحوم جیسی شخصیات موجود تھیں جنہوں نے نہ صرف نظام بیعت کی اہمیت کو سمجھا بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی۔ زیر نظر مضمون میں تحریک پاکستان کے تناظر میں نظام بیعت کے احیاء کی ایک گمنام کوشش پر روشنی ڈالی گئی ہے —— (ادارہ)

برصغیر کے فلسفیوں میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن (مرحوم) کو ایک بلند مقام حاصل تھا۔ بھارت کے سابق صدر اور مشہور فلسفی سر رادھا کرشنن ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مغربی فلسفے میں تخصص حاصل کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے مغرب کے فلسفی ان کے ساتھ مشورے کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو خاندانی ورثے کے طور پر اسلامی فلسفے پر بھی عبور حاصل تھا۔ چنانچہ علی گڑھ کے ایم اے (فلسفہ) کے نصاب میں اسلامی فلسفے کا اس وقت بھی ایک پرچہ ہوتا تھا۔ جب دوسری کسی یونیورسٹی میں مسلم فلاسفی کا پیپر داخل نصاب نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں علی گڑھ کے شعبۂ فلسفہ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ اپنے لکھے ہوئے مقالات کی تکمیل کے لئے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ لینے آتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب خود تو "سنگ بجائے خود سنگین است" پر عمل فرماتے ہوتے باہر کی مجالس میں جانے آنے کے چنداں قائل نہ تھے اور اپنی جگہ پر ہی مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن شعبہ کے اساتذہ

فلاسافیکل کانگریسوں میں شامل ہوتے رہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے زمانے کے مشہور ادیب۔ شاعر اور مبلغ سیّد غلام بھیک نیرنگ کے عزیز اور داماد تھے۔ اس لحاظ سے بڑی شدید اسلامی حس انہیں ورثے میں ملی تھی۔ اور وہ اپنی ساری صلاحیتوں کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے علی گڑھ میں اپنے زیرِ ہدایت ایک خفیہ سوسائٹی بھی قائم کر رکھی تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں ایک آزاد حکومت قائم کی جائے۔ اس وقت تک ابھی "پاکستان" کا نام ایجاد نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس سوسائٹی میں شامل ہونے والوں سے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اور پڑھوا کر بیعت لیا کرتے تھے۔ سوسائٹی کا ہر ممبر ہر روز بعد از نماز فجر مندرجہ ذیل حلف نامہ ایک وظیفہ کی طرح پڑھا کرتا تھا۔ ہم لوگوں نے یہ وظیفہ پاکستان بن جانے تک جاری رکھا۔ آخر خدائے بزرگ و برتر نے وہ دن دکھایا کہ گناہ کاروں کی دعائیں بابِ اجابت تک پہنچ کر جواب باصواب لائیں۔ اور پھر یہ وظیفہ پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اس سوسائٹی کے ممبر جہاں کہیں بھی ہیں پاکستان کے استحکام کی دعائیں یقیناً" کر رہے ہوں گے۔۔۔۔

بیعت۔۔۔ فلاں بن فلاں خدا کو حاضر و ناظر جان کر پورے صدق اور خلوص کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج و اقبال ہمیشہ میری غایت ہو گی اور اس غایت کو حاصل کرنے کے لئے میں اپنی جان و مال عزت اور آسائش ہر چیز قربان کرنے کو ہمیشہ تیار اور آمادہ رہوں گا اور ہر طرح جدوجہد کروں گا۔۔۔۔ اور میں قرآن پہ ہاتھ رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اس غایت کو حاصل کرنے کے لئے جو حکم آپ بہ حیثیت امیر مجھے دیں گے اس کی بے چون و چرا بدل و جان تعمیل کروں گا"۔۔۔

میں فلاں بن فلاں، بیعت کے تحت میں نہایت پکا وعدہ کرتا ہوں کہ۔۔۔۔

۱۔ ۔۔۔۔ غایت معلومہ کو حاصل کرنے کے لئے میں ملک کی سیاسیات میں اپنا نصب العین یہ رکھوں گا کہ اولاً مسلمان صوبوں میں اتحاد کلی قائم ہو جائے، اور ثانیاً پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کی ایک فیڈریشن بن جائے۔ جو باقی ہندوستان سے بالکل علیحدہ ہو۔ صوبوں میں نیابت بہ اعتبارِ آبادی ہو مسلمانوں کا جداگانہ انتخاب ہو اور ان کے حاصل کرنے کی

پوری سعی کروں گا۔

۲ - ۔۔۔۔۔ ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کی ورزش کیا کروں گا تاکہ میری صحت و قوت قائم رہے۔ نیز اجتماعی و انفرادی مدافعت کے طریقے سیکھوں گا۔

۳ - ۔۔۔۔۔ میں حتی الامکان قرض نہیں لوں گا اور اگر قرض کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس صورت میں مسلمان سے قرض لوں۔ غیر مسلم سے ہرگز قرض نہیں لوں گا اور اپنی جائیداد غیر مسلم کے ہاتھ ہرگز رہن یا بیع نہیں کروں گا۔

۴ - ۔۔۔۔۔ کسی پر بوجھ بن کر نہیں رہوں گا۔ اپنی معاش خود پیدا کروں گا اور اس کے لئے کوئی حرفت سیکھوں گا۔

۵ ۔۔۔۔۔ حتی الامکان مسلمانوں سے خریداری کروں گا اور مسلمانوں سے اُجرت پر کام لوں گا۔

۶ - ۔۔۔۔۔ اپنی ذات میں وہ اخلاق پیدا کروں گا جو ہماری غایت کے لئے مفید ہیں۔ یعنی اطاعت رازداری، وفاداری جسارت، استقامت، خودداری، صداقت، ایثار، کفایت شعاری، سادگی اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہوں گا۔ مسائل مذہبی میں اختلافات سے اجتناب کروں گا اور حتی الامکان اسلام اور اسلامیات کی پابندی کروں گا اور ان میں نظم پیدا کروں گا۔

۷ - ۔۔۔۔۔ دوسرے ارکان کے ساتھ محبت و اخوت کے ساتھ رہوں گا۔ اور حتی الامکان ان کی مدد کروں گا۔ کبھی کسی رکن کو دھوکا نہیں دوں گا۔ اور جماعت میں شریک ہوجانے کو ذاتی فائدہ اٹھانے کا ذریعہ نہیں بناؤں گا اور امیر کی نسبت بدگمانی نہیں کروں گا۔

۸ - ۔۔۔۔۔ امیر کی اجازت کے بغیر کسی سیاسی جماعت میں شریک نہیں ہوں گا اور اس کی مرضی کے خلاف ملکی انتخابات میں ووٹ نہیں دوں گا اس کی رضا کے بغیر ملازمت اور شادی نہیں کروں گا۔ اور نہ ممالک غیر میں جاؤں گا۔

۹ ۔۔۔۔۔ حتی الامکان دوسروں کو اپنا ہم خیال بناؤں گا۔ کہ وہ جماعت میں شریک ہوں اور مسلمانوں میں جماعت کے خیالات کو پھیلاؤں گا۔

۱۰ ۔۔۔۔۔ شودروں کو مسلمان بنانے کی کوشش کروں گا۔ اور اس کوشش میں مدد دوں گا۔

۱۱ - ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہ طیب خاطر جماعت کو ۔ ۔ ۔ ۔ ماہوار پابندی کے ساتھ ہمیشہ چندہ دیتا رہوں گا اور اسکی مالی امداد کرنے سے دریغ نہیں کروں گا ۔
۱۲ - ۔ ۔ ۔ ۔ صبح کو اٹھتے وقت اور رات کو سوتے وقت بہ خشوع وخضوع یہ دُعا مانگونگا۔

"یا اللہ! اپنے خاص فضل وکرم سے مجھے اپنی بیعت پر قائم رکھ اور وعدوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔"

اس کے بعد اپنے عہد بیعت کو دہراؤں گا اور ہر ہفتہ جمعہ کے دن صبح کے وقت اپنے وعدوں کو بھی دہراؤں گا ۔

حصول مقصد کے لئے علامہ اقبال سے بھی ڈاکٹر صاحب کا تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا چنانچہ "اقبال ریویو" سے ماخوذ مندرجہ ذیل سطور سے اس طرف اشارہ ملتا ہے ۔

۱ ۔ "۲۸ فروری ۱۹۳۵ء کل رات صوفی (غلام مصطفیٰ تبسم) صاحب کے ہاں اس غرض سے مجلس مشاورت ہوئی کہ سر محمد اقبال کے تجویز کردہ نظام "شبان المسلمین" پر غور کیا جائے ۔ دراصل یہ سکیم جو ہمارے زیر غور ہے ۔ میر غلام بھیک نیرنگ اور ڈاکٹر ظفر الحسن کی تجویز کی ہوئی ہے جس کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج واقبال ہے۔"

۲ ۔ "علی گڑھ سے ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے دو صاحبوں کو لاہور اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے مجوزہ جمعیت شبان المسلمین کے متعلق تفصیل طور پر تبادلہ خیالات کریں"۔ (یہ دو صاحبان ڈاکٹر ایم ایم احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی تھے)
(ماخوذ از اقبال ریویو ۔ جولائی)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے بیعت کنندگان کو رائفل ٹریننگ اور شوٹ سکھانے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا ۔ ہم ان کی دونالی بندوق لے کر میدان کی طرف نکل جاتے اور چیلوں اور گدھوں کے نشانے کرتے رہتے ۔ شوٹ سکھانے کی حکمت اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی ۔ لیکن ایک مرتبہ اس پریکٹس کی وجہ سے مارچ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں میری جان بچ گئی تو مشیت الٰہی کی حکمت خوب سمجھ میں آگئی ۔ یہ واقعہ تفصیل طلب اور بے محل ہے ۔ اس لئے اسے یہیں چھوڑتا ہوں ۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت)

افکار و آراء

سردار اجمل خاں لغاری کا وضاحتی مراسلہ

۳۰ جون ۱۹۸۶ء

مکرم و محترم مجمع حسنات نجیب بھائی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج شریف

ماہنامہ میثاق جون ۸۶ء کے صفحہ ۷۳ پر میرے متعلق آپ کا یہ ارشاد نظر سے گذرا کہ "مایوسی کے شدید ردّعمل نے سوچ کی راہیں بھی جُدا کر دی ہیں "

اس سے یقیناً آپ کا مدعا یہ ہوگا کہ اچھی گوٹھ کے حادثہ کے بعد جماعت سے مایوس ہو کر میں جماعت سے الگ ہوا، اور جماعت سے مایوسی کے شدید ردّعمل نے سوچ کی راہیں بھی جدا کر دی ہیں ۔

میثاق میں اپنے اس ارشاد کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں ۔جس میں خط کشیدہ لفظ "جماعت" کا استعمال نہیں فرمایا گیا ۔کیا اس سے یہ تو نہیں سمجھا جائے گا کہ مایوس ہو کر میں دینی کام سے فارغ ہو بیٹھا ہوں ۔حالانکہ راہیں جُدا ہو جانے کے بعد کسی دینی کام کی تشریح میں آراء کا مختلف ہونا علیحدہ بات ہے اور مایوس ہونا علیحدہ بات ہے ۔

میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ زبانی کلامی جس قدر باتیں ہو جاتی ہیں وہ کافی ہوتی ہیں ۔کیونکہ رسائل میں باہمی باتوں کا اندراج یا ایک دوسرے کے متعلق رائے زنی مفید نہیں ہوتی ۔

کچھ وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے اہل ذکر اور اہل علم کے فیوض سے جو راہ پائی ہے نہ میں اُسے آپ جیسے زیرک احباب کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ آپ حضرات مجھ جیسے ناقص کے معروضات پر کان دھرتے ہیں لہذا رسائل میں ان کی اشاعت ضروری نہیں ہوتی ۔

من گنگ خواب دیدم عالم تمام کر
من عاجزم زگفتن مخلوق از شنیدنش

مہربانی فرما کر میرے اس عریضہ کو میثاق میں درج کرنے کی فرمائش کر دیں ۔تاکہ میرے

متعلق قارئین میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے ۔

والسلام

اجمل خان لغاری

رحیم آباد ۔ ضلع رحیم یار خاں

(ii)

"استحکام پاکستان" کا خصوصی مطالعہ

استحکام پاکستان کے عنوان سے حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو دینی علوم کی ہمہ جہت شخصیت اور اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد کی تصنیف ہے ڈاکٹر صاحب عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ جدید عمرانی و معاشرتی اور سائنسی علوم سے بھی آگہی رکھتے ہیں، انکی تحریروں میں اختصار و جامعیت کا وصف نمایاں ہے اور وہ قرآن و سنت کی روشنی میں عصرِ حاضر کے مسائل کا کامیاب تجزیہ کرتے ہیں ۔

وہ حق بات کہنے میں کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کی حقیقت پسندی اور تجزیاتی بصیرت نے اُن کی تحریروں میں وہ عالمانہ شان پیدا کر دی ہے جو کہیں اور نظر نہیں آتی ۔ اُن کی تصانیف کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن ان کے اثرات اتنے ہمہ گیر ہیں کہ وہ اپنے بیان و استدلال کے سبب اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں اُن کا مخصوص انداز فکر اور طرزِ استدلال ان کی زیرِ نظر کتاب "استحکام پاکستان" میں پوری طرح کارفرما ہے۔

استحکام پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمد اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست کے طور پر حاصل کیا گیا ہے ۔ جس کا بنیادی محرک اسلام تھا ۔ وہ اس بات کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ پاکستان اقتصادی اور معاشی مقاصد کے تحت معرضِ وجود میں آیا تھا ۔ اس نقطۂ نظر کی وضاحت تحریک پاکستان کے واقعات سے بھی ہوتی ہے قائداعظم یا کسی مسلم لیگی راہنما نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پاکستان معاشی استحکام کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے بلکہ تحریک پاکستان کی پوری تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پاکستان کے حصول کا محرک صرف احیائے دین اور اسلامی ریاست کے قیام کا جذبہ تھا ۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں قائداعظم نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا ہے ۔

قرآن حکیم کی صورت میں ہمارے پاس ایک راہنما اور بصیرت افروز پیغام موجود ہے اس کی موجودگی میں کسی اور پیغام کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی فکری اور عملی جدوجہد سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ محمدی کی سربلندی اور مسلمانوں کے فکر وعمل کی اصلاح کے لیئے وقف کر رکھی ہے۔ وہ اپنے دل میں دُنیا اسلام اور مسلمانان پاکستان کے لیئے یکساں جذبہ رکھتے ہیں اور اُن کی تحریروں میں پاکستان اور دُنیائے اسلام الگ الگ بھی نظر آتے ہیں اور ایک ساتھ بھی "استحکام پاکستان" میں وہ بڑے کرب کے ساتھ اس تکلیف دہ صورت حال کا احساس دلاتے ہیں کہ ہم نے پاکستان جس جذبہ محرکہ کے تحت حاصل کیا تھا

اُسے جلد ہی ذہن سے محو کر دیا۔ اس صورت حاصل کے سبب ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کی واضح اکثریت خودغرضی بددیانتی اور احسان فراموشی کی مرتکب ہوئی ہے۔

مشرقی پاکستان ہم سے جُدا ہو چکا ہے۔ اور "جئے سندھ" جیسی تحریکوں کے سبب موجودہ پاکستان کے وجود کو بھی خطرہ ہے، اس صورت حال کی اصلاح کے لیئے وہ فکر وعمل کی تعمیر نو پر زور دیتے ہیں۔ اور پاکستان کو ایک معجزے سے تعبیر کرتے ہوئے آزاد فضاؤں میں پروان چڑھنے والی نئی نسل کی رہنمائی پر زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نئی پود پختگی شعور کی عمر کو پہنچ چکی ہے اور صحیح رہنمائی ملنے پر اپنی بالغ نظری اور جرأت وہمت کے سبب نیکی واطاعت اور اسلام کی سربلندی کے نئے اُفق تلاش کر سکتی ہے اس ضمن میں وہ ذہنی انقلاب پر زور دیتے ہوئے پانچ رہنما اصولوں کی نشان دہی کرتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہے ۔

مبصر: محمود جلال آبادی

(بشکریہ روزنامہ مشرق)

(۱۱)

بے حسی کی انتہا: ایک لمحہ فکریہ

یہ کوئی ۹ جون ۱۹۸۶ء کی بات ہے میں عید کے لیئے اپنے گاؤں گیا جو کہ بہاولپور سے

۳۰ میل دور احمد پور کے علاقے میں شامل ہے یعنی احمد پور سے دو میل آگے ایک چاہ محراب والا ہے اور اس سے چار میل آگے ایک گاؤں ہے جو کھوئی یا کھوئیاں کے نام سے موسوم ہے ۔ وہاں گاؤں کی مسجد میں لاوڈ سپیکر کی سہولت موجود ہے اور وہاں اصول طے ہے کہ جس شخص نے کوئی اعلان کرانا ہو وہ دو روپے مسجد فنڈ میں جمع کرائے اور پھر اعلان کرے ۔ اُس روز ہم عشاء کی نماز پڑھ کے جب گھر آئے تو مسجد میں سے ایک جوان نے اعلان کیا جس کی عمر تقریباً ۲۰ یا ۲۵ سال کے درمیان ہو گی کہ "ملک شیر خاں (جو کہ میرے پھوپھا ہیں اور مسجد کے منتظم ہیں) ناراض نہ ہونا میں دو روپے رکھ رہا ہوں اور ایک اعلان کرا رہا ہوں لوگو ! ایک ضروری اعلان سنو ! فدا حسین کے گھر وی سی آر پر فلمیں چل رہی ہیں جسنے دیکھنی ہوں وہ وہاں چلا جائے "۔ اس نے یہ اعلان دو مرتبہ دہرایا۔ میرے پھوپھا جان کے کان پر جوں تک نہ رینگی کہ یہ اعلان کیوں ہوا حالانکہ مسجد کا انتظام اُن کے ذمے تھا ۔ میں نے احتجاج کیا تو بڑے آرام سے بولے آئندہ سے ہر اعلان کے لئے ۵ روپے رکھ دیں گے ۔

غفلت کی تاریکی اتنی پھیل چکی ہے کہ انسان اس میں گم ہو کر رہ گیا ہے اگر وہ بُرا کام کر رہا ہوتا ہے تو اُسے احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے وہاں مسلمان بستے ہیں لیکن اللہ کے گھر سے فحاشی کا اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے ۔ اللہ نہ کرے وہاں اللہ کا عذاب آیا تو نیک لوگ بھی فاسق لوگوں کے ساتھ رگڑے جائیں گے کیونکہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے ۔ اسی لئے قرآن حکیم میں بار بار حکم آیا ہے کہ "بُرائیوں سے روکتے رہو اور نیکیوں کا حکم دیتے رہو اور یہ کام جو لوگ کرتے ہیں وہی ہیں فلاح پانے والے "، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ " قیامت کے دن انسان کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک کہ ان سے ۵ باتوں کے بارے میں حساب نہیں لیا جاتا کہ عمر کن مشاغل میں گزاری ، علم حاصل کیا تو اس پر کہاں تک عمل کیا مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جسم کو کس کام میں گھلایا ، یعنی عمر کا بہترین حصہ فضول کاموں میں ضائع کیا کیونکہ وقت ایک قیمتی سرمایہ ہے اور جس کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی ، علم اگر حاصل کیا تو اس پر عمل کیا یا نہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ " کچھ لوگ قیامت کے دن ایسے ہوں گے جنکی گردنوں پر آخرت کی پونجی ہو گی جبکہ کچھ ایسے ہوں گے جن کی گردنیں دُنیاوی مال سے لدی ہونگی

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

رفتارِ کار

امیر تنظیمِ اسلامی کا دورہ گجرات و وزیرآباد

میری خواہش تھی کہ وہ آواز جو عرصہ دراز سے کوہ و دمن، صحرا و دریا، بستی و جنگل میں قرآن کے حیات آفریں پیغام کو بلند کر رہی ہے میرے شہر وزیرآباد میں بھی سنی جائے اور وہ مردِ قلندر جس کے نعرۂ مستانہ نے امراء و وزراء کے ایوانوں میں لرزش پیدا کر دی اہالیانِ وزیرآباد بچشم سر اس کا مظاہرہ کر سکیں۔ چنانچہ میں نے رمضان المبارک سے پہلے ہی چوہدری غلام محمد صاحب معتمد عمومی تنظیم اسلامی سے درخواست کی تھی کہ وقت ملتے ہی لاہور سے صرف ۶۰ میل دور کے فاصلہ پر وزیرآباد کے لئے امیر محترم کے دورے کو ضرور ترتیب دیں۔ چنانچہ گو ناں گوں مصروفیات اور شدت کی گرمی کے باوجود ۲۵ جون ۸۶ء کو امیر محترم نے وزیرآباد اور گجرات کے لئے وقت دے دیا۔

چونکہ وزیرآباد میں اس سے قبل تنظیم کا کام نہیں ہوا تھا چنانچہ میاں محمد نعیم صاحب قیم تنظیم کی ہدایت پر ۲۳ جون ۸۶ء کو پونے سات بجے ایک گروپ جو جناب چوہدری محمد رفیق صاحب، جناب محمد ادریس صاحب، جناب عابد گلزار صاحب، جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب، جناب محمد اقبال صاحب، جناب محمد وحید صاحب اور جناب نور محمد صاحب پر مشتمل تھا لاہور سے وزیرآباد پہنچا۔ ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ گروپ پلے کارڈ اور ہینڈ بل لے کر وزیرآباد شہر میں پبلسٹی مہم اور ذاتی تربیت کے کے لئے نکل گیا۔ چونکہ مقصود ذاتی تربیت تھی۔ اس لئے یہ حضرات دل میں اللہ کی یاد لئے ہوئے بندگانِ خدا تک حق کی دعوت پہنچانے کے لئے وزیرآباد کی گلی گلی میں گھوم گئے۔ اور یہ سلسلہ نماز ظہر تک جاری رہا۔ نماز او رکھانے سے فارغ ہو کر بعد نماز عصر راقم اور چوہدری محمد اسحاق صاحب سوک کلاں گجرات چلے گئے جہاں جناب خادم حسین صاحب سے رابطہ قائم کیا جنہوں نے سوک کلاں میں امیر تنظیم کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ اس دوران بقیہ حضرات نظام آباد اور اللہ آباد کی بستیوں میں حسب سابق کام کرتے رہے۔ اس گروپ میں گوجرانوالہ سے ہارون پاشا بھی شامل ہو گئے تھے۔

بعد نماز عشاء جامع مسجد اہل حدیث میں جناب محمد حنیف صاحب کی دعوت پر جانا ہوا۔ وہاں تنظیم اسلامی کی دعوت اور ڈاکٹر صاحب کے کام سے اہل محلہ کو روشناس کرایا جس کے لئے ہم محمد حنیف صاحب

کے شکر گزار ہیں۔

اگلی صبح یعنی ۲۴ جون کو حسب مشورہ فجر کی نماز ہم نے سوہدرہ اور تلواڑہ کی مساجد میں ادا کیں۔ اور وہاں پروگرام کے ہینڈ بل تقسیم کئے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر واپس وزیر آباد آئے اور حاجی پورہ میں احباب سے ملاقاتیں کیں۔

بعد نماز ظہر باہمی مذاکرہ کیا اور ہر رفیق تنظیم نے تنظیم کی دعوت کے ضمن میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور پھر بعد نماز عصر نواحی بستی دسو نکل چلے گئے۔

اگلے دن یعنی ۲۵ جون کو تمام احباب بعد نماز فجر سوک کلاں گجرات گئے۔ وہاں بارش کی وجہ سے موسم قدرے خوش گوار تھا۔ جناب خادم حسین شہریا صاحب کے احباب نے مل جل کر بہت عمدہ انتظام کیا تھا۔ تاہم تنظیم کے رفقار کے بروقت پہنچ جانے سے انتظامات میں مزید بہتری پیدا ہو گئی۔ دن کے گیارہ بجے محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا آغاز ہوا جو دو گھنٹوں پر محیط تھی۔ موضوع تھا "اسلام کا پیغام مسلمانانِ پاکستان کے نام"۔ باوجود یکہ گاؤں کا معاملہ اور کاروبار کا وقت تھا تاہم حاضری قابل اطمینان تھی اور اللہ تعالیٰ اس پروگرام کے جملہ معاملات کی برکات سے ہمیں نوازے۔

میری مدد کے لئے جناب محمد یعقوب صاحب علی الصبح ہی گوجرانوالہ سے تشریف لا چکے تھے لہٰذا انہوں نے جلسہ گاہ کے جملہ انتظامات سنبھال لئے اور باحسن وجوہ سرانجام دیئے۔ ان کی مدد کے لئے جناب ہارون پاشا یہ کی صاحب۔ جناب مصطفےٰ صاحب اور ثناء اللہ صاحب صالح محمد صاحب بھی آچکے تھے اور سیالکوٹ سے محمد اقبال منیر صاحب بھی معاونت فرماتے رہے۔

امیر محترم گجرات سے واپس وزیر آباد تقریباً ۴ بجے شام تشریف لائے۔ میرے بعد وہ لمحات انتہائی قیمتی تھے جو اس مردِ حق نے میرے غریب خانے پر گزارے۔ ۹ بجے رات کو کیپٹن ڈاکٹر صالح محمد صاحب کی مسجد میں نماز عشاء ادا کی اور ساڑھے نو بجے امیر تنظیم اسلامی جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔

جلسہ کا اہتمام گورنمنٹ پبلک ہائی سکول وزیر آباد کے صحن میں کیا گیا تھا جس میں ایک ہزار طلبا کی اسمبلی کی گنجائش ہے۔ جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ جلسہ گاہ ناکافی ہے۔ اگرچہ دریوں کا انتظام کیا گیا تھا تاکہ حاضرین زیادہ سما سکیں مزید برآں چھت پر ۲½ سو کرسیاں بچھائی گئی تھیں اور خواتین کے پردہ کا انتظام گیلری میں کیا گیا تھا۔ ہماری توقع سے زیادہ حاضری ہونے کی وجہ سے مجھے پریشانی لاحق ہوئی تاہم جلسہ کی کارروائی ساڑھے نو بجے شروع کر دی گئی۔ جناب قاری محمد ارشاد صاحب نے تلاوت فرمائی اور بعد ازاں رحمت اللہ بٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ ٹھیک دس بجے جناب ڈاکٹر اسرار احمد

صاحب کا خطاب شروع ہوا۔ دوران تقریر بارش شروع ہو گئی ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے بارش اور آندھی کے باوجود مسلسل دو گھنٹہ خطاب فرمایا۔ موضوع تھا ۔"اسلام کا پیغام مسلمانانِ پاکستان کے نام" امیر محترم نے اس موضوع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا اسلام کے پیغام کے تین سطحیں (levels) ہیں۔ اسلام کا ایک پیغام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے پھر یہ کہ اسلام کا ایک پیغام تمام عالم اسلام کے لئے اور پھر اسلام کا ایک پیغام ہے جو مسلمانان پاکستان کے نام ہے ۔موضوع اتنا اہم، فکر انگیز اور تقریر اتنی دلچسپ اور مسحور کن تھی کہ ہر سطح کے لوگوں نے اسے پوری توجہ اور دلچسپی سے سنا اور پسند کیا۔ چند باہمت لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے تنظیم میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا ۔

بارش کے باعث اگرچہ سارے انتظامات درہم برہم ہو گئے تاہم لوگوں کا شوق دیدنی تھا۔ کونوں کھدروں میں گھس کر تقریر سنتے رہے ۔ تندیٔ بادِ مخالف نے اہالیان وزیر آباد کے اعصاب پر کوئی اثر نہیں ڈالا ۔

۱۲ بجے رات یہ محفل بارانِ رحمت کی بہاریں لوٹتی ہوئی ختم ہوئی ۔ کھانا کھانے کے بعد تقریباً ۱½ بجے رات کو امیر محترم کو نیند کے لیے کچھ وقت ملا ۔نماز فجر کے بعد جامع مسجد حنفیہ مین بازار میں حسب اعلان سوال وجواب کی نشست منعقد ہوئی ۔ ایک گھنٹہ کی اس نشست میں مختلف انداز میں سوالات ہوتے رہے ۔ ڈاکٹر صاحب سے مولانا نعیم الدین رفاہی صاحب نے سوال کیا کہ آپ نے عورت کی سربراہی کو جائز قرار دیا ہے ۔ امیر محترم نے فرمایا کہ پریس نے مختلف انداز میں اسے اچھالا ہے حالانکہ میں نے عورت کی سربراہی کو جائز قرار نہیں دیتا ۔ تاہم اگر کوئی عورت سربراہِ مملکت بن جائے تو میں ان حالات میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھوں گا ۔جس کا میں برملا اظہار کرتا ہوں ۔

ناشتہ کے بعد یہ قافلہ حسین نقوش چھوڑتا ہوا عازم لاہور ہوا

امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ وزیر آباد کے نتیجے میں چند باہمت لوگ تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے جن میں گلزار احمد صاحب کا نام قابلِ ذکر ہے ۔اس نوجوان نے اپنے گھر میں دفتر کھولا جس کا باقاعدہ افتتاح وزیر آباد کی معروف دینی وسماجی شخصیت جناب شیخ محمد انور صاحب نے کیا۔ مرکز سے نیم تنظیم اسلامی جناب میاں محمد نعیم صاحب تشریف لائے تھے ۔ ۱۶ر جولائی ۸۶ء بروز جمعہ جناب گلزار احمد صاحب نے اپنے گھر پر شہر کی تمام قابلِ ذکر شخصیات کو دعوت دی۔ جس میں راقم نے تنظیم کا مختصر تعارف کرایا اور میاں محمد نعیم صاحب نے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ قبل از مغرب یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

یہ دفتر باقاعدہ بعد نماز مغرب کھلتا ہے ۔ اس میں لائبریری بھی کھولی گئی ہے ۔ راقم نے منتخب نصاب کا درس شروع کیا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کارِ خیر میں برکت عطا فرمائے ۔

شمس الحق اعوان
رفیق تنظیم اسلامی ، وزیر آباد

بقیہ : افکار و آراء

اُس دن میں اُن کے کچھ کام نہیں آؤں گا " آیئے ہمیں چاہیئے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائیوں سے روکیں اسی میں ہمارے لئے بہتری ہے ۔ دُنیاوی اور اُخروی لحاظ سے اسی میں ہماری نجات ہے ۔

مرسلہ : مسعود احمد خان

ادارہ اشاعت القرآن چوبرجی سنٹر لاہور کی تبلیغی کُتب

قرآن مجید مع اُردو ترجمہ : ہر پارہ الگ ۔ سفید کاغذ سائز ۲۰×۲۶ کل صفحات ۹۷۲ ۔ ہدیہ ۔/۴۰ روپے

قرآن مجید مع انگریزی ترجمہ : کاغذ آفسٹ جلد ریکسین ۔ صفحات ۶۲۴ سائز ۲۰×۳۰ ہدیہ ۔/۱۰۰ روپے

حیاتِ رسولؐ : مکمل زندگی کا مرقع صفحات ۲۴۰ ہدیہ ۔/۱۰ روپے

اقوالِ رسولؐ : ۹۶ صفحات ۔/۳ روپے

وٹ از اسلام : اسلام کا مکمل علمی تصوّر ۔/۵ روپے

احکامِ الٰہی : اُردو میں قرآنی احکام کی تالیف ۔/۵ روپے

(ادارہ قرآن مجید کو دُنیا بھر میں پھیلانے کا عزم رکھتا ہے ۔)

نشر القرآن
کیسٹ
سیریز
۳۶ کے
ماڈل ٹاؤن لاہور

دین کے انتہائی اہم اور بنیادی موضوع

حقیقت و اقسام شرک پر ڈاکٹر اسرار احمد

کے ایک ایک گھنٹے کے چھ لیکچرز جو C-60 کے چھ کیسٹوں میں دستیاب ہیں

ہدیہ پاکستانی کیسٹ -/۱۰۰ روپے (جاپانی کیسٹ) -/۱۹۰ روپے مع محصول ڈاک

تیس سے زائد عنوانات پر مشتمل فہرست طبع شدہ موجود ہے خط لکھ کر طلب فرمائیں

عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی

قربانی کی حقیقت اور روح کو سمجھنے
کے لئے
مختصر جامع اور مدلل کتاب

نیا ایڈیشن چھپ کر آگیا ہے۔

قیمت چار روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
مرکزی دفتر: تنظیم اسلامی: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

تواضع کے بہتر آداب
-آپ کا بہترین انتخاب
فریش ویل
حلوہ جوزی
AHMED'S
Freshwel
RASGULLA
Freshwel
KARACHI
HALWA
Freshwel
احمد
ایکم (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی۔ ۱۱۲، لورس روڈ، سائٹ، کراچی۔ فون: ۲۹۴۳۹۱-۹۵

رُوح افزا لیموں

برسات میں سب کے لیے موزوں

رُوح افزا کو لیموں کی اضافی لذّت سے لذیذ تر بنایئے

موسم بدلے تو انسانی مزاج بھی ذائقے میں تبدیلی چاہتا ہے۔ برسات سے پوری طرح لطف اٹھانے اور موسمی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے رُوح افزا میں لیموں کا تازہ رس شامل کیجیے اور ایک نئے ذائقے کا لطف اٹھایئے۔

یہ رُوح افزا سکنجبین آپ کے ذوق اور ذائقے کو تسکین فراہم کرے گی اور جسم و جان کو سکون اور فرحت بخشے گی۔

رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال

مشروبِ مشرق رُوح افزا

رُوحِ پاکستان

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ADARTS-HRA 7/86

Coca-Cola
Coca-Cola is it!
TRADE MARK REGD.
THE COCA-COLA COMPANY

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

وقت کے اہم ترین موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی فکر انگیز تالیف

استحکامِ پاکستان

کتابی شکل میں طبع ہو کر آ گئی ہے

ضخامت: ۱۷۶ صفحات ، اعلیٰ سفید کاغذ ، عمدہ طباعت

مجلّد مع گرد پوش -/۳۰ روپے ، بلا جلد -/۲۰ روپے

اب نیوز پیپر ایڈیشن بھی دستیاب ہے - قیمت -/۱۲ روپے

شائع کردہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۱۱

وقت کے اہم' نازک اور زیرِ بحث موضوع

اسلام میں عورت کا مقام

پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

جس میں اس خطاب کے علاوہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف "نقوشِ اقبال" سے ماخوذ

عورت اقبال کے کلام میں

نیز اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا ماہنامہ آنچل کراچی میں شائع شدہ انٹرویو اور روزنامہ جنگ کے فورم میں بات چیت بھی شامل ہیں

عمدہ آفسٹ پیپر - اعلیٰ طباعت - صفحات ۱۴۰

قیمت ـــــ فی نسخہ دس روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - ۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن لاہور

(۲) مکتبہ تنظیم اسلامی - نیشنل داؤد منزل نزد آرام باغ کراچی

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کم حقہ توجہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر تا سورہ شوریٰ پر تدبّر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸ × ۲۲/۸ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ: ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ تنظیم اسلامی: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور ۱۴

قارئین میثاق کی خدمت میں

ماہنامہ میثاق صرف ایک عام دینی وعلمی پرچہ نہیں بلکہ آپ کی اُس اسلامی انقلابی دعوت کا علم بردار ہے جس کا مقصد پاکستان میں نظام باطل کو مٹا کر دین حق کے نفاذ کیلئے راہ ہموار کرنا ہے۔ ہمیں اس مشن میں آپ کا عملی تعاون درکار ہے۔ درج ذیل صورتوں کے علاوہ بھی آپ جس شکل میں تعاون کرنا چاہیں ہم آپ کے عملی تعاون اور پُرخلوص مشوروں کے لئے چشم براہ ہیں۔

(۱) اگر آپ خود میثاق کے سالانہ خریدار نہیں ہیں تو براہ کرم فوراً سالانہ خریدار بن کر اس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کیجئے۔

(۲) اگر آپ خود سالانہ خریدار ہیں تو اس یک ماہی مہم کے دوران کم ازکم پانچ حضرات کو سالانہ خریدار بنائیے۔

(۳) قریبی بکسٹال، میڈیکل سٹور یا کسی بھی مناسب کاروباری مقام پر ہر ماہ میثاق رکھنے یا رکھوانے کا انتظام کیجئے۔

۴۔ قریبی سکولوں کالجوں اور دیگر پبلک لائبریریوں کے لئے اپنی طرف سے میثاق سالانہ خریداری کی بنیاد پر پہنچانے کا انتظام کیجئے۔

۵۔ اپنے حلقہ احباب میں سے جن حضرات کے متعلق آپ کو حسن ظن ہو کہ وہ توجہ دلانے پر میثاق کے سالانہ خریدار بن سکتے ہیں ہمیں اُن کے پتے روانہ کیجئے۔ تاکہ ہم انہیں نمونے کے پرچے اس گذارش کے ساتھ مفت ارسال کریں۔ کہ وہ میثاق کی سالانہ خریداری قبول فرمالیں۔

۶۔ میثاق کی پبلسٹی کے ضمن میں پبلسٹی میٹریل مثلاً اسٹیکرز، پلے کارڈز وغیرہ مفت حاصل کرنے کے لئے ہم سے رابطہ قائم کیجئے۔

۷۔ میثاق کی توسیع اشاعت مہم کو بہتر طور پر چلانے کے لئے اپنے مفید مشوروں سے نوازیئے۔

۸۔ میثاق کی پبلسٹی کے ضمن میں پلے کارڈز، اسٹیکرز اور پوسٹرز کی ترتیب و تزئین کے لئے بھی ہم آپ کی تجاویز اور تخیلات IDEAS کے منتظر ہیں۔

شعبہ نشر و اشاعت ماہنامہ میثاق لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمدکنندگان ہونے کا بجاطور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمدکنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۹-۶۲۰ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۸۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 35	AUGUST 1986	No. 8

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731